مذاہب عالم میں تصور خدا
اور
اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے ۲۰ سوال
ڈاکٹر ذاکر نائیک

مذاہب عالم میں تصورِ خدا

اور

اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے ۲۰ سوال

ڈاکٹر ذاکر نائیک

مترجم

سید امتیاز احمد

دار النوادر

الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور

کتاب: مذاہب عالم میں تصور خدا
اور اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے ۲۰ سوال

مصنف: ڈاکٹر ذاکر نائیک

مترجم: سید امتیاز احمد

اہتمام: دارالنوادر

مطبع: موٹروے پریس، لاہور

قیمت: غیر مجلد ۷۰ روپے
مجلد ۹۰ روپے

ڈسٹری بیوٹرز

اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون:2212991-2629724

پبلشرز، ڈسٹری بیوٹرز، مشیران کتب خانہ جات
فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ
اُردو بازار، لاہور فون: 7320318 فیکس: 7239884
ای میل: hikmat100@hotmail.com

ترتیب

حصہ اوّل

اہم مذاہب میں خدا کا تصور

حصہ دوم

اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے بیس سوال

تعارف

مذاہب اور نظام ہائے اخلاقیات کی ایک بڑی تعداد ہماری تہذیب کی اہم خصوصیت ہے۔ بنی نوع انسان کی ازل سے یہ کوشش رہی ہے کہ وہ اپنی تخلیق کی وجہ کو سمجھے اور اس کائنات میں اپنے مقام کا عرفان حاصل کرے۔ وہ اس نظامِ قدرت میں اپنی شناخت اور مقام کو جاننے کے لیے ہمیشہ سے سرگرداں رہا ہے۔

ممتاز تاریخ داں، آرنلڈ ٹوائن بی نے قرنوں پر محیط انسانی تاریخ کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی۔ پھر اس نے دس جلدوں پر پھیلا ہوا اپنا معرکہ آرا کام پیش کیا۔ اس کی کتابوں کا خلاصہ یہی ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں مذہب کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔ ۲۴ راکتوبر ۱۹۵۴ء میں وہ ''دی آبزرور'' میں شائع شدہ مضمون میں رقمطراز ہے:

''میں اس پر یقین رکھتا ہوں کہ تخلیق کے معمے کی چابی مذہب ہی کے پاس ہے۔''

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق مذہب کی تعریف کچھ یوں بنتی ہے:

''ایک ایسی فوق البشر قوت پر اعتقاد رکھنا، بالخصوص ذاتی خدا یا خداؤں پر یقین رکھنا جو اطاعت اور عبادت کے لائق ہوں۔''

تمام اہم مذاہب عالم میں ہمیں عالم الغیب اور قادرِ مطلق خدا یا مقتدرِ اعلیٰ کا تصور ملتا ہے۔ پھر تمام اہم مذاہب کے ماننے والوں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ وہ جس خدا پر یقین رکھتے اور جس کی اطاعت کرتے ہیں وہی تمام دوسرے لوگوں کا خدا بھی ہے۔

کئی ایک ''غیر مذہبی'' اعتقادات مثلاً مارکسزم، فرائیڈ ازم وغیرہ نے منظم مذاہب کی بنیاد پر حملے کی کوشش کی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ غیر مذہبی اعتقادات بھی کسی مذہبی اعتقاد کی سی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ مثال کے طور پر جب کئی ممالک میں کمیونزم یعنی اشتراکی نظام رائج

تھا، اس کی تشہیر وتبلیغ اسی پیمانے، انداز اور دلجمعی کے ساتھ کی جاتی تھی جس طرح کہ مذاہب کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ پس مذہب انسانی وجود کا اہم ترین جزو ہے۔

قرآن مجید فرقانِ حمید کی درج ذیل آیت میں اللہ فرماتا ہے:

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾ (۳:۶۴)

''اے نبیؐ! کہو''اے اہل کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے، اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی واطاعت کرنے والے) ہیں۔''

مذاہب عالم کا مطالعہ اور موازنہ میرے لیے بہت سودمند ثابت ہوا ہے۔ اور میرا یہ یقین ازسرِنو مستحکم ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنے وجود کی سمجھ بوجھ کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ انسان کی نفسیاتی ترکیب کچھ اس طرح کی ہے کہ وہ باآسانی خالقِ عظیم کا تصور قبول کرتا ہے بصورتِ دیگر خدا کے عدم تصور کے لیے اسے دلائل دینا پڑتے ہیں۔ بالفاظ دیگر خدا پر یقین کے لیے کوئی شرط نہیں ہے مگر خدا کے تصور کو ردّ کرنے کے لیے شرط یا دلائل کی ضرورت پڑتی ہے۔

دنیا کے بڑے مذاہب کی درجہ بندی

اگر ہم وسیع پیمانے پر دیکھیں تو مذاہب عالم کو دو بڑے زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی سامی مذاہب اور غیر سامی مذاہب۔ جبکہ غیر سامی مذاہب کو مزید دو زمروں یعنی آریائی اور غیر آریائی مذاہب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

سامی مذاہب

سامی مذاہب وہ مذاہب ہیں جو سامیوں میں ظہور پذیر ہوئے۔ انجیل کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام سام تھا اور ان کی نسلیں سامی کہلائیں۔ چنانچہ سامی مذاہب وہ مذاہب ہیں جو یہودیوں، عربوں اور آشوریوں وغیرہ میں پروان چڑھے تھے۔ یہودیت، مسیحیت اور اسلام اہم اور بڑے سامی مذاہب ہیں۔ یہ تمام مذاہب پیغمبری مذاہب ہیں اور ان آسمانی ہدایات پر اعتقاد رکھتے ہیں جو خدا نے پیغمبروں کے ذریعے زمین پر اُتاریں۔

غیر سامی مذاہب

جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ غیر سامی مذاہب کو مزید دو ذیلی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جو آریائی اور غیر آریائی مذاہب ہیں۔

آریائی مذاہب

آریائی ادیان وہ مذاہب ہیں جن کی ابتدا آریائی قوم میں ہوئی۔ آریائی ان اقوام کو کہا جاتا ہے جو بہت طاقتور تھے اور ہندیورپی زبانیں بولتے تھے۔ یہ دوسرے ہزاریے کے پہلے نصف (۲۰۰۰ تا ۱۵۰۰ قبل مسیح) تک ایران سے لے کر شمالی ہندوستان تک پھیل گئے تھے۔

اب آریائی مذاہب کو مزید دو اقسام میں بانٹا جا سکتا ہے: اوّل ویدک اور دوم غیر ویدک۔

ویدک مذہب کو عام طور پر ہندومت اور برہمنیت کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جبکہ غیر ویدک مذاہب میں سکھ مت، بدھ مت اور جین ازم وغیرہ شامل ہیں۔ تقریباً تمام آریائی مذاہب میں پیغمبروں کا تصور موجود نہیں۔

زرتشتی مذہب ایک آریائی مگر غیر ویدک مذہب ہے جس کا ہندومت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اس کا دعویٰ ہے کہ یہ پیغمبرانہ مذہب ہے۔

غیر آریائی مذاہب

غیر آریائی ادیان کی ابتدا مختلف جگہوں پر ہوئی ہے۔ کنفیوشنزم اور تاؤ ازم کی سرزمین چین ہے جبکہ شنٹو مذہب جاپان میں پروان چڑھا۔ ایسے کئی ایک غیر آریائی مذاہب میں خدا کا تصور موجود نہیں ہے۔ انہیں باقاعدہ مذاہب کی بجائے اخلاقیاتی تعلیمات کے نظام کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

مذہب میں خدا کی درست ترین توجیہہ

کسی بھی مذہب میں اپنائے گئے خدا کے تصور کو صرف اس کے پیروکاروں کے عمل سے نہیں جانچا جاسکتا۔ لوگوں میں خود ان کی مذہبی کتابوں سے عدم واقفیت، تمام مذاہب میں ایک عام سی بات ہے۔ اس تناظر میں یہ بہتر ہوگا کہ کسی بھی مذہب میں خدا کے تصور کو اس کی مقدس تحریروں کی روشنی میں دیکھا جائے۔

اب ہم دنیا کے اہم ادیان کا تجزیہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان کی مقدس تحریریں خدا کے تصور کے متعلق کیا کہتی ہیں۔

ہندومت میں خدا کا تصور

ہندومت تمام آریائی مذاہب میں مشہور ہے۔ ہندو درحقیقت ایک فارسی لفظ ہے اس کے معنی ان لوگوں کے ہیں جو وادی سندھ سے آگے کے علاقوں کے رہائشی ہیں۔ تاہم عام بول چال میں ہندومت کی اصطلاح ایک لبادے کی طرح ہے جو مجموعۂ عقاید کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ ان میں سے اکثر عقاید وید، اپنشد اور بھگود گیتا سے اخذ کیے گئے ہیں۔

ہندومت میں خدا کے لیے رائج عمومی تصورات

عموماً ہندومت کو ایسے دین کے طور پر لیا جاتا ہے جس میں کثرتِ خدا کا تصور ہے۔ درحقیقت بہت سے ہندو اس کی تصدیق کرتے ہیں اور وہ کئی ایک خداؤں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ کچھ ہندو تین خداؤں جبکہ بعض ہندو تو ۳۳۰ کروڑ خداؤں پر یقین رکھتے ہیں۔ تاہم پڑھے لکھے ہندو جو اپنی کتابوں سے واقفیت رکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ ایک ہندو کو صرف اور صرف ایک خدا کی ہی پوجا کرنی چاہیے۔

خدا کے تصور کے بارے میں ہندو اور مسلمانوں میں سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ ہندوؤں کا عام عقیدہ ہے کہ وہ ہمہ اوست (Pantheism) کے قائل ہیں۔ ہمہ اوست یا کائنات پرستی کا یہ نظریہ کہتا ہے کہ ہر چیز خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان مقدس اور الہامی ہے۔ اسی لیے ہندو، درختوں، سورج، چاند، جانوروں اور حتیٰ کہ انسانوں کو بھی خدا کا پَرتو جانتے ہیں۔ یعنی عام ہندو کے لیے ہر شے خدا ہے۔

اس کے برعکس اسلام انسان سے کہتا ہے کہ وہ خود کو اور اپنی اطراف کی اشیا کو خدا کی تخلیق سمجھے کہ خدائی صفات والا سمجھے۔ لہٰذا مسلمان ہر شے کو خدا کی ملکیت سمجھتا ہے۔ بالفاظ دیگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہر شے کا تعلق اللہ سے ہے۔ درخت، سورج، چاند اور تمام اشیا خدا کی ہی ہیں۔ یہ

کائنات بھی اسی سے تعلق رکھتی ہے۔

پس ہندو اور مسلمانوں کے عقاید میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ ہندوؤں کے نزدیک ہر شے خدا ہی ہے جبکہ مسلمانوں کے نزدیک ہر شے خدا کی ہے۔ قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں درج ہے:

"تو سب سے پہلی مشترک بات یہ ہے کہ ہم کسی کی عبادت نہیں کرتے سوائے اللہ کے۔"

اب ہم اسلام اور ہندومت کی مقدس تحریروں کا تجزیہ کرتے ہوئے ان دونوں کے درمیان مشترکہ باتیں تلاش کریں گے۔

بھگود گیتا

ہندومت کی تمام کتابوں میں بھگود گیتا بہت مشہور ہے۔ گیتا کے اس شعر کو پڑھیے:

"جن کی فہم مادی خواہشات نے سلب کر لی ہے، انہوں نے دیوتاؤں (اوتاروں) کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے ہیں اور پھر اپنی مرضی کے مطابق پوجا کے اُصول بنا لیے ہیں۔" [بھگود گیتا؛ باب: ۷، شعر: ۲۰]

یہاں گیتا کہہ رہی ہے کہ مادہ پرست لوگ اصل خدا کو چھوڑ کر نیم دیوتاؤں کی عبادت شروع کر دیتے ہیں۔

اُپنشد: ......اپنشد کو بھی ہندوؤں کی مقدس کتاب کا درجہ حاصل ہے۔ اپنشد کا یہ شعر پڑھیے:

(i) "وہ صرف ایک ہے کسی دوسرے کے بغیر۔" [چندوگیا اُپنشد ۶:۲:۱]

اُپنشد کا ایک مصرعہ یہ ہے:

(ii) "نہ ہی اس کے ماں باپ ہیں اور نہ ہی کوئی خدا"

[سویت سواترا اُپنشد ۶،۹] [حصہ دوم، صفحہ: ۲۶۳]

اُپنشد ہی کا ایک اور شعر دیکھیے:

(iii) ''اس جیسا کوئی نہیں ہے'' [سویت سواترا اُپنشد، باب ۴:۱۹]

''کوئی اس جیسا نہیں، جس کا نام عظمت والا ہے۔''(۱)

اب درج بالا اشعار کا ان آیاتِ قرآنی سے موازنہ کیجئے:

﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ ﴾ [۱۱۲:۴]

''اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔''

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ [۴۲:۱۱]

''کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں، وہ سب کچھ دیکھنے اور سننے والا ہے۔''

(iv) اُپنشد کے درج ذیل اشعار خدا کو مجسم تصور کرنے سے انسان کے عاجز ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

''اس کا پیکر نظر نہیں آتا، کوئی اسے آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ جو اسے دل اور دماغ سے دیکھتے ہیں وہ ان کے دل میں رہ کر انہیں لافانی بنا دیتا ہے۔''

[سویت سواترا، اُپنشد ۴:۲۰]

قرآنِ عظیم اسی مظہر کو اس آیت میں بیان کرتا ہے:

﴿ لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَيُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝ ﴾

''نگاہیں اس کو پا نہیں سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے، وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے۔'' [۶:۱۰۳]

وید

ہندومت کی کتابوں میں وید سب سے اہم کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔ وید کی چار کتابیں زیادہ مشہور ہیں۔ یعنی رگ وید، یجروید، سام وید اور اتھروا وید۔

۱ ...... یجر وید

i) یجر وید کا ایک جملہ یہ ہے:

(1) [The Principal Upanishad by S.Radhakrishnan. page736,737]
[Sacred books of the East, volume15, the Upanishad part II Page No 253.]

''اس کا کوئی عکس نہیں'' [یجر وید ۳۲:۳]

آگے چل کر لکھا ہے:

''وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا، وہی ہماری عبادت کا مستحق ہے۔اس کا کوئی عکس نہیں اور یقیناً اس کی شان سب سے بلند ہے۔ وہ خود کو سورج وغیرہ میں قائم رکھ سکتا ہے، شاید وہ مجھے نقصان نہ پہنچائے۔ یہی میری دعا ہے۔ وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا اور ہماری عبادت کے لائق ہے۔''(۱)

ii) ''وہ بے جسم اور خالص ہے۔'' یہ یجر وید میں درج ہے: ۴۰:۸

''وہ روشن، بے جسم، بے زخم، بے پیوند اور خالص ہے جس میں بُرائی چھید نہیں کر سکتی۔ وہ وسیع النظر، عقل مند، احاطہ کرنے والا، خود وجود رکھنے والا ہے، وہ لا متناہی برسوں کے لیے مالک ہے۔''(۲)

iii) یجر وید میں یہ بھی درج ہے:

''جو قدرتی مظاہر کی پوجا کریں گے، اندھیرے میں داخل ہوں گے۔'' مثلاً ہوا، پانی اور آگ وغیرہ۔ ''جو سنبھوتی کی عبادت کریں گے، اندھیروں کی مزید گہرائی میں غرق ہو جائیں گے۔'' سنبھوتی کا مطلب اشیا کی تخلیق ہے مثلاً کرسی، میز اور بت وغیرہ بنانا'' [یجر وید ۴۰:۹]

iv) ایک اور دعا میں یہ بھی آیا ہے:

''ہمیں اچھا رستہ دکھا اور ان گناہوں کو ہٹا دے جو ہمیں بے راہ اور گمراہ بنا دیتے ہیں۔'' [یجر وید ۴۰:۱۶]

۳......اتھروا وید

اتھروا وید کے یہ اشعار دیکھیے:

---

(۱) یجر وید، دیوی چند ایم اے فلسفہ صفحہ: ۳۷۷

(۲) [Yajurveda Samhita by Ralph I.H.Griffith pg 538]

i) ''بے شک خدا عظیم ہے۔'' [اتھروا وید ۳ :۵۸ ۲۰]

''سوریا، تو یقیناً عظیم ہے، ادیتیا تو عظیم ہے، چونکہ تو عظیم ہے تیری عظمت کی تعظیم کی جاتی ہے۔ بے شک تو عظیم ہے، اے خدا'' ❶

﴿ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴾ [القرآن:۱۳:۹]

''وہ پوشیدہ اور ظاہر ہر چیز کا عالم ہے۔ وہ بزرگ ہے اور ہر حال میں بالاتر رہنے والا ہے۔''

۳......رگ وید

i) تمام ویدوں میں رگ وید سب سے قدیم ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ بھی ایک مقدس ترین کتاب ہے۔ رگ وید میں تحریر ہے کہ:

''مذہبی بزرگ خدا کو کئی ناموں سے پکارتے ہیں۔''

[رگ وید ۴۶:۱۶۴:۱:۱]

ii) رگ وید میں خدائے بزرگ و برتر کی جو مختلف صفات بتائی گئی ہیں وہ کسی بھی طرح ۳۳ سے کم نہیں ہیں۔ ان میں سے کئی رگ وید کی کتاب دوم کی مناجات اوّل میں درج ہیں۔

رگ وید میں خدا کی جو متعدد صفات بتائی گئی ہیں ان میں سے سب سے خوبصورت صفت، رگ وید کی دوسری شبدھ کے تیسرے شعر میں موجود ہے جہاں خدا کے لیے ''براہما'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ براہما کو عربی میں ترجمہ کیا جائے تو اس کے معنی خالق کے ہوں گے۔ خدا کو ''خالق''، ''تخلیق کار'' یا ''براہما'' کہنے پر مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ تاہم مسلمان یقیناً اس تصور کو قبول نہیں کریں گے کہ خدا بزرگ و برتر کے چار ہاتھ ہوں (نعوذ باللہ) مسلمان اسے سختی سے ردّ کر دیں گے۔

خدا کو تجسیمی (Anthropomorphic) یا مادی شکل میں پیش کرنے کے عمل کی نفی یجر وید کے ان اشعار سے بھی ہوتی ہے:

---

(۱)[Atharveda Samhiti VoL 2 William Dmight Whitney pg 910]

"اس کا کوئی عکس نہیں ہے۔" [یجروید ۳۲:۳]

رگ وید کی کتاب دوم، مناجات اوّل کے تیسرے شعر میں خدا کی ایک اور عمدہ صفت بیان کی گئی ہے۔ یہاں خدا کو "وشنو" کہا گیا ہے۔

وشنو کا مطلب ہے "پرورش کرنے والا" اگر اسے عربی میں ترجمہ کیا جائے تو اس کے معنی "رب" کے ہوں گے۔ ایک بار پھر یہاں مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہ ہوگا جب خدائے بزرگ و برتر کو "رب"، "پالنے والا" یا "وشنو" کہا جائے مگر ہندوؤں میں وشنو کا عام تصور یہ ہے کہ وہ چار ہاتھوں والا خدا ہے۔ اس کے ایک دائیں ہاتھ میں تھالی ہے جسے "چکرا" کہتے ہیں۔ ایک بائیں ہاتھ میں سنکھ یا ناقوس ہے، ایک پرندہ بھی ہے جو سانپ کے بل کی طرف جا رہا ہے۔ خدا کی کوئی بھی تصویر مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ یہ بات خود یجروید کے باب ۴۰ کے انیسویں شعر کے خلاف ہے۔

iii) رگ وید کے درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجئے:

"اے دوستو! اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، صرف وہی ایک خدا ہے۔"(۱)

[رگ وید کتاب ۸:۱:۱]

iv) "عقلمند جوگی اپنے ذہن اور اپنی سوچ کی توجہ حقیقتِ اعلیٰ پر مرکوز رکھتے ہیں جو قادر مطلق، عظیم اور حاکم اعلیٰ ہے۔ وہ تنہا، ان کے اعمال اور حیاتی اعضا کو تفویض کیے جانے والے اُمور سے آگاہ ہے۔ بے شک وہی عظیم ہے اور آسمانی خالق ہے۔"(۲)

[رگ وید ۵:۸۱]

---

(1) [Rigveda Samhiti Vol ix, Page1 and 2 by Swami Satyaprakash Sarasvati and Satyakam vidhya Lankar]

(2) [Rigveda Samhiti Volume 6 Page 1802 and 1803 by Swami Satya Prakash Saraswati and Satya Kam Vidhya Lauka]

ہندو ویدانت کی براہماسُترا

ہندو ویدانت کی براہماسترا میں درج ہے:

''خدا صرف ایک ہی ہے، کوئی دوسرا نہیں، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، معمولی حد تک بھی نہیں۔''

پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندومت کی کتب کے غیر متعصّبانہ مطالعے سے ہی کوئی ہندومت میں خدا کے تصور کو سمجھ سکتا ہے۔

سکھ مذہب میں خدا کا تصور

سکھ مذہب ایک غیر سامی، آریائی مگر غیر ویدک مذہب ہے۔ اگرچہ یہ دنیا کے بڑے مذاہب میں تو شامل نہیں مگر یہ ہندومت سے پھوٹنے والی ایک شاخ ہی ہے جس کی بنیاد بابا گرونانک نے پندرھویں صدی کے آخر میں رکھی تھی۔ اس کا مسکن پاکستان اور شمالی مغربی بھارت کا وہ علاقہ ہے جسے پنجاب بھی کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے پانچ دریاؤں کی سرزمین۔ گرونانک نے ایک ہندو خاندان کی کھتری یا (جنگجو ذات) میں آنکھ کھولی مگر وہ اسلام اور مسلمانوں سے بہت متاثر ہوئے تھے۔

سکھ اور سکھ مذہب کی تعریف

لفظ ''سکھ'' دراصل ''سیسیا'' نامی لفظ سے نکلا ہے۔ اس کے معنی مرید یا پیروکار کے ہیں۔ اس مذہب میں دس گرو ہیں۔ گرونانک سب سے پہلے گرو جب کہ گروگوبند سنگھ دسویں اور آخری گرو گزرے ہیں۔ سکھ مذہب کی مقدس کتاب کا نام سری گرو گرنتھ ہے جو ادی گرنتھ صاحب کے نام سے بھی مشہور ہے۔

پانچ ''ککے''

سکھ مذہب میں ہر سکھ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی شناخت کے لیے پانچ چیزوں کو اپنائے یا اپنے پاس رکھے:

i) کیش:...... بال نہ کاٹے جائیں کیونکہ تمام گرو بھی بال نہیں کاٹتے تھے۔

ii) کنگھا:...... سر کے بالوں کو ہموار اور صاف رکھنے کے لیے۔

iii) کڑا:...... اسٹیل یا دھات کی موٹی چوڑی جو قوت کے لیے پہنی جاتی ہے۔

iv) کرپان:...... خنجر جو اپنے دفاع کے لیے رکھا جاتا ہے۔

v) کچھا:...... پھرتی اور چستی کے لیے پہنا جانے والا زیر جامہ جس کی لمبائی گھٹنوں تک ہوتی ہے۔

مل منترا...... سکھوں کے بنیادی عقاید

خدا کے تصور کے حوالے سے کسی بھی سکھ کے تصورات کو بہتر انداز میں مل منترا میں بیان کیا جاتا ہے۔ ''مل منترا'' سکھوں کے بنیادی عقاید کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ اسے گرو گرنتھ صاحب کے شروع میں بیان کیا گیا ہے۔ سری گرنتھ صاحب کی جلد اوّل، جپو جی کا پہلا شعر ہے:

> ''صرف ایک خدا کا وجود ہے جو حقیقتاً تخلیق کرنے والا ہے، وہ خوف اور نفرت سے عاری ہے، وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا مگر لافانی ہے، وہ خود سے وجود رکھنے والا، عظیم اور رحیم ہے۔''

سکھ مذہب اپنے ماننے والوں کو وحدانیت کی سختی سے تلقین کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک ہی رب اعلیٰ ہے۔ وہ ایک غیر واضح اور مبہم صورت میں موجود ہے جسے ''ایک اومکارا'' کہا جاتا ہے۔

جب خدا کی واضح صفات بیان کی جائیں تو اسے اومکارا کہا جاتا ہے۔ سکھ مذہب میں خدا کی کئی ایک صفات بیان کی جاتی ہیں۔

کرتار......... خالق

صاحب......... بادشاہ

اکال......... ابدی

ستنانام......... مقدس نام

پروردگار......... محبت سے پرورش کرنے والا

رحیم......... رحم کرنے والا

کریم.........خیر خواہ اور کرم کرنے والا

سکھ مذہب میں خدا کے لیے ''واہے گرو'' یعنی ''ایک سچا خدا'' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

چونکہ سکھ مذہب وحدانیت کی سختی سے تلقین کرتا ہے۔ اس لیے اس میں اوتار ویدا پر اعتقاد بالکل نہیں ہے جسے تجسیم اور حلول کا عقیدہ کہا جا سکتا ہے۔ سکھ مذہب میں خدا اپنی تجسیم کر کے دوسری شکلوں میں نہیں ڈھلتا اور یوں اوتار کا تصور بالکل نہیں ہے۔ سکھ مذہب، بت پرستی کی بھی شدید مخالفت کرتا ہے۔

گرونانک پر کبیر کا اثر

گرونانک سنت کبیر کے فرمودات سے بہت متاثر تھے۔ لہٰذا شری گرونانک صاحب کے متعدد ابواب میں سنت کبیر کے اشعار جا بجا ملتے ہیں۔ ان میں سے چند مشہور اشعار یہ ہیں:

''ہر کوئی مشکل میں تو خدا کو یاد رکھتا ہے مگر امن اور خوشی میں اسے کوئی یاد نہیں کرتا۔

جو آسودگی اور خوشحالی میں بھی خدا کو یاد رکھے گا اس پر مصیبت کیوں آئے گی؟''

اب ان اشعار کا درج ذیل آیاتِ قرآنی سے موازنہ کیجئے:

﴿ وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝ ﴾

[القرآن:۳۹:۸]

''انسان پر جب کوئی آفت آتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کر کے اسے پکارتا ہے۔ پھر جب اس کا رب اسے اپنی نعمت سے نواز دیتا ہے تو وہ اس مصیبت کو بھول جاتا ہے جس پر وہ پہلے پکار رہا تھا۔ اور دوسروں کو اللہ کا ہمسر ٹھیراتا ہے تا کہ اس کی راہ سے گمراہ کر دے (اے نبیؐ) اس سے کہو کہ تھوڑے دن اپنے کفر سے لطف اُٹھا لے، یقیناً تو دوزخ میں جانے والا ہے۔''

پارسی مذہب میں خدا کا تصور

پارسی مذہب ایک قدیم آریائی مذہب ہے جس کا ظہور ۲۵۰۰ سال قبل فارس میں ہوا تھا۔ اگرچہ اس کے ماننے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہے یعنی پوری دنیا میں ایک لاکھ تیس ہزار سے بھی کم پارسی ہیں۔ مگر یہ دنیا کے قدیم مذاہب میں سے ایک ہے۔ ایک ایرانی پیغمبر زرتشت نے پارسی مذہب کی بنیاد رکھی تھی۔ (اسے زرتشی مذہب بھی کہتے ہیں) پارسیوں کی مقدس کتابوں میں دساتیر اور آوستا شامل ہیں۔

پارسی مذہب میں خدا کے لیے ''اہورمزدا'' کا نام آیا ہے۔ ''اہور'' کا مطلب ہے ''آقا'' اور ''مزدا'' کے معنی ''عقل مند'' کے ہیں۔ یعنی اہورمزدا کا مطلب ہے ''عقل مند آقا'' یا ''عقل مند مالک'' اہورمزدا کے تصور میں بھی ایک خدا کے تصور کا بہت دخل ہے۔

دساتیر کے مطابق خدا کی صفات

دساتیر میں خدا کے لیے درج ذیل صفات بیان کی گئی ہیں:

(i) وہ ایک ہے۔

(ii) اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

(iii) نہ اس کی ابتدا ہے اور نہ ہی انتہا۔

(iv) نہ اس کا کوئی باپ ہے نہ ہی کوئی بیٹا، نہ کوئی بیوی ہے اور نہ ہی اولاد ہے۔

(v) وہ بے جسم اور بے شکل ہے۔

(vi) نہ آنکھ اس کا احاطہ کر سکتی ہے۔ نہ ہی فکری قوت سے اسے تصور میں لایا جا سکتا ہے۔

(vii) وہ ان سب سے بڑھ کر ہے جن کے متعلق ہم سوچ سکتے ہیں۔

(viii) وہ ہم سے زیادہ ہمارے نزدیک ہے۔

خدا کی صفات، آوستا کے مطابق

آوستا، گتھا اور ینسا کے مطابق اہورمزدا کی کئی ایک صفات ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(i) خالق

(سینا ۷:۳۱ اور ۱۱) (سینا ۷:۴۴) (سینا ۱۱:۵۰) (سینا ۷:۵۱)

(ii) بہت قوت، بہت عظمت والا

(سینا ۱۱:۳۳) (سینا ۶:۴۵)

(iii) داتا......''ہدائی''

(سینا ۱۱:۳۳) (سینا ۳:۴۸)

(iv) سخی......''اسپینتا''

(سینا ۳۴:۴،۵،۷،۹،۱۱،۱۳،۱۵) (سینا ۲:۴۴) (سینا ۵:۴۵) (سینا ۹:۴۶) (سینا ۳:۴۸)

یہودیت میں خدا کا تصور

یہودیت سامی مذاہب میں ایک اہم مذہب ہے۔ اس کے ماننے والے یہودی کہلاتے ہیں اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیغمبرانہ مشن پر یقین رکھتے ہیں۔

(i) درج ذیل آیات عہد نامہ عتیق کی پانچویں کتاب ثنائیہ میں درج ہیں۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عبرانی آیت کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

''سنو! اے بنی اسرائیل! ہمارا مالک خدا ہے، وہ ایک مالک ہے۔''

[کتاب مقدس۔ ثنائیہ ۶:۴]

(ii) کتاب عیسائیہ کی ایک اور آیت ملاحظہ کیجئے:

''میں، اور میں ہی مالک ہوں، میرے سوا بچانے والا کوئی نہیں ہے۔''

[کتاب مقدس۔ عیسائیہ ۴۳:۱۱]

(iii) ''میں ہی خدا ہوں اور کوئی نہیں، میرے سوا کوئی خدا نہیں۔''

[کتاب مقدس۔ عیسائیہ ۴۶:۹]

یہودیت میں بت پرستی کی مخالفت درج ذیل آیت سے عیاں ہے:

''میرے علاوہ کوئی خدا نہیں، تمہیں چاہیے کہ میری کوئی تصویر کشی نہ کرو۔ مجھ سے کسی کی مشابہت نہیں ہے، نہ آسمان پر، نہ زمین پر اور نہ ہی پانی کے نیچے۔ لہٰذا تم کسی اور کے سامنے نہ جھکو، ان کی طرف نہ دیکھو، میں ہی تمہارا خدا ہوں۔''

[کتاب مقدس۔ خروج ۵۔۲۰:۳]

(iv) کتاب ثنائیہ میں بھی اسی طرح کا پیغام ملا ہے:

''میرے علاوہ کوئی اور خدا نہیں، لہٰذا تم میری تجسیم نہ کرو۔ آسمانوں میں، زمین

کے اوپر اور پانی کی گہرائیوں میں کوئی بھی میرا ہمسر نہیں ہے۔ پس تمہیں چاہیے کہ تم ان کو سجدہ نہ کرو اور نہ ہی ان کی خدمت کرو۔ میں ہی خدا اور مالک ہوں۔"

[کتاب مقدس۔ ثنائیہ ۹۔۷:۵]

عیسائیت میں خدا کا تصور

عیسائیت ایک سامی مذہب ہے۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ پوری دنیا میں اس کے لگ بھگ دو ارب پیروکار ہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اسلام میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بے حد احترام کیا جاتا ہے۔ اسلام وہ واحد غیر مسیحی مذہب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان کی تلقین کرتا ہے۔

اس سے قبل کہ ہم عیسائیت میں خدا کے تصور پر بات کریں ہم پہلے اسلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام پر بات کرتے ہیں۔

(i) اسلام واحد غیر مسیحی مذہب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اعتقاد کا حکم دیتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ رکھے تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔

(ii) ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عظیم اور برگزیدہ پیغمبر ہیں۔

(iii) ہم یقین رکھتے ہیں کہ وہ بغیر باپ کے معجزانہ طور پر پیدا ہوئے جبکہ آج کے کئی عیسائی اس پر یقین نہیں رکھتے۔

(iv) ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ خدا کے حکم سے مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔

(v) ہم یہ یقین بھی رکھتے ہیں کہ وہ خدا کی عطا سے پیدائشی نابیناؤں اور کوڑھ کے مریضوں کو اچھا کیا کرتے تھے۔

اب یہاں ایک سوال یہ اُبھرتا ہے کہ جب مسلمان اور عیسائی دونوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا احترام اور ان سے محبت رکھتے ہیں تو کس جگہ سے ان دونوں مذاہب کی راہیں جدا ہوتی ہیں۔ اسلام اور عیسائیت میں ایک واضح فرق یہ ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت پر اصرار کرتے ہیں۔ عیسائی مقدس کتابوں کے مطالعے سے عیاں ہے کہ حضرت یسوع مسیح علیہ السلام نے

کبھی بھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ درحقیقت پوری انجیل مقدس میں ایک جملہ بھی ایسا نہیں جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بیان دیا ہو کہ ''میں خدا ہوں'' یا ''میری عبادت کرو'' دراصل انجیل مقدس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب جو باتیں ہیں وہ اس کے عین مخالف ہیں۔ انجیل مقدس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب یہ بیانات ملاحظہ کیجئے۔

''میرے والد مجھ سے عظیم ہیں۔'' [یوحنا ۱۴:۲۸]

''میرے والد سب سے بلند اور عظیم ہیں۔'' [یوحنا ۱۰:۲۹]

''میں خدا کے حکم سے شیطانوں کو نپٹتا ہوں۔'' [متی ۱۲:۲۸]

''............خدا کی اُنگلی سے شیطانوں کو نکال باہر کرتا ہوں......'' [لوقا ۱۱:۲۰]

''میں خود اپنے آپ سے کچھ نہیں کرسکتا: میں سنتا ہوں، موازنہ کرتا ہوں اور میری رائے درست ہوتی ہے، کیونکہ اس میں میری کوشش نہیں بلکہ میرے خدا کی چاہ ہوتی ہے، جس نے مجھے بھیجا ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصد......قانون کی تکمیل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھی رب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے مشن کے متعلق صاف فرمایا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدائے بزرگ و برتر نے یہودیت کی تکمیل و تصدیق کے لیے بھیجا تھا۔ درج ذیل بیان متی کی انجیل میں درج ہے جو اس بات کا واضح ثبوت ہے۔

''یہ نہ سوچنا کہ میں قانون یا پیغمبروں کو ختم کرنے آیا ہوں، میں انہیں تباہ کرنے کے بجائے ان کی تکمیل کرنے آیا ہوں۔ جب تک زمین و آسمان ہیں۔ قانون کا ایک ذرہ بھی تعمیل سے گزرے بغیر نہیں رہے گا۔ یہاں تک کہ سب پر عمل ہو جائے گا۔

جو کوئی بھی معمولی حکم الٰہی کو توڑے گا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے گا۔ جنت میں اس کا نام آخر میں پکارا جائے گا مگر جو بھی عین اس کے مطابق عمل کرے اور تعلیم دے گا، اسی کو جنت میں عظیم نام سے پکارا جائے گا۔'' [انجیل۔ متی ۲۰۔۵:۱۷]

خدا نے یسوع مسیح علیہ السلام کو زمین پر بھیجا

انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغمبرانہ مشن کی طرف درج ذیل آیات میں اشارہ ملتا ہے۔

"..........اور جو الفاظ تم سنتے ہو، وہ میرے نہیں ہیں، بلکہ اس باپ کے ہیں جس نے مجھے بھیجا۔" [انجیل۔یوحنا ۱۴:۲۴]

"اور یہ زندگی لافانی ہے، شاید وہ ایک سچے خدا کو جان جائیں گے۔ مجھے بھی جسے اس نے بھیجا ہے۔" [انجیل۔یوحنا ۱۷:۳]

یوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے خدا ہونے کے معمولی سے اشارے کو بھی رڈ کیا ہے۔

انجیل کا ایک اور جملہ ملاحظہ فرمایے:

"ایک شخص آتا ہے اور اس سے کہتا ہے "اچھے مالک" میں کون سے اچھے کام کروں کہ ابدی زندگی پانے میں کامیاب ہوسکوں؟"

پھر وہ اس سے کہتا ہے "تم نے مجھے اچھا کیوں کہا؟" کوئی خدا نہیں سوائے ایک خدا کے۔ لیکن اگر تم زندگی میں داخل ہونا چاہتے ہو حکمِ ربی کا پاس رکھو۔"

اوپر تحریر کردہ بیانات اس مسیحی طرزِ فکر کی نفی کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ربانی خواص رکھتے تھے اور ان کے مصلوب ہونے سے نجات حاصل ہوچکی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہی نصیحت کی ہے کہ نجات صرف اسی صورت میں مل سکتی ہے جب احکامات الٰہی پر عمل کیا جائے۔

یسوع ناصریؑ خدا کا منظور کردہ بندہ

انجیل کا درج ذیل بیان، اسلامی عقاید کی تائید کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے پیغمبر تھے:

"اے بنی اسرائیل! یہ الفاظ سنو، خدا نے تم لوگوں میں سے ایک شخص یسوع ناصری کو منظور کرلیا ہے کہ وہ معجزات، کرشمے اور نشانیاں بتائے جو خدا نے کی ہیں اور تمہارے درمیان دکھائی ہیں اور تم خود بھی جان لو گے۔"

پہلا حکم کہ خدا ایک ہے

انجیل مسیحیت کے نظریہ تثلیث کی تائید نہیں کرتی۔ مقدس کتاب کا مسودہ لکھنے والے ایک شخص نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ سب سے بڑھ کر پہلا حکمِ الٰہی کون سا ہے تو انہوں نے صرف وہی بات دہرا دی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہی تھی۔ یہ ایک عبرانی جملہ تھا جس کا ترجمہ یہ ہے:

''خداوند، ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔'' [مرقس ۱۲:۲۹]

اسلام میں خدا کا تصور

اسلام ایک سامی مذہب ہے۔ دنیا بھر میں اس کے ماننے والوں کی تعداد ایک ارب بیس کروڑ سے زاید ہے۔ اسلام کا مطلب ہے ''اللہ کی مکمل اطاعت کرنا.......... مسلمان قرآن کو خدائے عزوجل کے الفاظ مانتے ہیں جو حضرت محمد ﷺ پر وحی کے ذریعے نازل ہو کر ہم تک پہنچے۔ اسلام کہتا ہے کہ تمام ادوار میں اللہ نے پیغمبروں اور رسولوں کے ذریعے اپنی وحدانیت کا پیغام اور آخرت میں احتساب کا پیغام بھیجا ہے۔ اسی لیے اسلام مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ پہلے کے تمام پیغمبروں پر یقین رکھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داود علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بقیہ تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

خدا کی نہایت جامع تعریف

اسلام میں خدا کی نہایت جامع اور مختصر تعریف سورۃ اخلاص کی چار آیات میں موجود ہے۔ یہ قرآن مجید کی ۱۱۲ ویں سورۃ ہے۔

۱. قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝
۲. اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝
۳. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝
۴. وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

[القرآن ۱۱۲: ۱-۴]

''کہو وہ اللہ ہے، یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔''

لفظ ''الصمد'' کا ترجمہ قدرے مشکل ہے۔ اس کا مطلب ہے ''ہمیشہ رہنے والا'' اور یہ صفت صرف اللہ ہی کی ہوسکتی ہے۔ بقیہ تمام اشیا و جاندار عارضی اور وقتی ہیں۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ تمام مخلوق اور اشیا اللہ کی محتاج ہیں۔

سورۃ اخلاص......الٰہیات کی کسوٹی

قرآن مجید کی سورۃ اخلاص (۱۱۲ ویں سورۃ) دین یا الٰہیات کی بہترین کسوٹی ہے۔ چار آیات پر مشتمل یہ سورۃ خدا کے مطالعے کے لیے ایک کسوٹی اور ایک پیمانے کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر کوئی خدائی کا اُمیدوار ہے تو یہ ضروری ہے کہ اسے بھی اس کسوٹی پر پرکھا جائے۔ چونکہ اس سورۃ میں اللہ رب العزت کی یکتا صفات کا احاطہ کیا گیا لہٰذا اس سورۃ کی روشنی میں جھوٹے خداؤں اور الٰہیاتی اُمیدواروں کو با آسانی رد کیا جاسکتا ہے۔

اسلام دیوتاؤں کے متعلق کیا کہتا ہے؟

بھارت کے متعلق اکثر کہا جاتا ہے کہ یہ دیوتاؤں کی سرزمین ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھارت میں روحانی اساتذہ کی بڑی تعداد موجود ہے۔ ان میں سے کئی ایک بابا اور پیروں کے ماننے والے دنیا بھر میں موجود ہیں۔ اسلام کسی بھی انسان کی معبود سازی کی شدید ممانعت کرتا ہے۔

خدائی کے دعوے داروں یا الٰہیاتی صفات سے متصف کیے جانے والے ایسے لوگوں کے لیے ہم اسلام کی روشنی میں ایسے ایک ''خدائی بندے'' ''اوشو رجنیش'' کا جائزہ لیتے ہیں۔ رجنیش بھارت میں پیدا ہونے والے ان گنت روحانی اساتذہ میں سے ایک ہیں۔ مئی ۱۹۸۱ء میں وہ امریکہ گئے اور وہاں ''رجنیش پورم'' نامی ایک علاقہ قائم کیا۔ بعدازاں انہوں نے مغرب میں ایک فراڈ کیا، آخر کار گرفتار ہوئے اور انہیں ملک چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ وہ بھارت واپس آ گئے اور پونا میں ایک فرقے کی بنیاد رکھی جسے ''اوشو'' فرقہ کہا جاتا ہے۔ ۱۹۹۰ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ رجنیش کے ماننے والے اسے خدا کہتے ہیں۔ پونا میں اوشو کے مرکز پر اگر کوئی جائے تو

وہاں اس کے سنگِ مزار پر یہ درج ہے:

''اوشو......نہ پیدا ہوا اور نہ مرا ہے، اس نے ۱۱ دسمبر ۱۹۳۱ء سے لے کر ۱۹ جنوری ۱۹۹۰ء تک صرف اس سیارے یعنی زمین کا دورہ کیا تھا''

یہاں اس کے پیروکار یہ بھول جاتے ہیں کہ اسے ۲۱ مختلف ممالک کا ویزا نہیں دیا گیا تھا۔ رجنیش کے پیروکار اپنے ''خدا'' کے زمین کا دورہ کرنے میں کوئی مشکل نہیں دیکھتے مگر ان کے خدا کو کسی ملک میں داخل ہونے کے لیے ویزا کی ضرورت رہتی تھی!

اب ہم خدائی کے اس دعویدار، بھگوان رجنیش کو سورہ اخلاص کی روشنی میں پرکھتے ہیں کیونکہ یہی الٰہیات کی کسوٹی ہے۔

i) سورۂ اخلاص میں خدا کے لیے درج پہلی شرط یا کسوٹی ہے ''کہو کہ وہ اللہ ایک ہے۔'' کیا رجنیش ایک اور واحد ہے؟ نہیں! رجنیش جیسے بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ تاہم اس کے کچھ ماننے والے رجنیش کو اب بھی یکتا مانتے ہیں۔

ii) دوسری کسوٹی یہ ہے کہ وہ ''معبود برحق بے نیاز ہے'' یقیناً رجنیش بے نیاز اور لافانی نہ تھا اور وہ ۱۹۹۰ء میں مر گیا تھا۔ اس کی سوانح حیات سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ وہ ذیابیطس، دمے اور کمر کے شدید درد میں مبتلا تھا۔ اس نے الزام لگایا تھا کہ امریکی جیل میں حکومت نے اسے آہستگی سے اثر کرنے والا زہر دیا تھا۔ تصور کیجئے کہ کیا خدائے عزوجل کو زہر دیا جا سکتا ہے! (نعوذ باللہ) تو رجنیش بے نیاز اور لافانی نہ تھا۔

iii) تیسری کسوٹی ہے کہ ''نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ بیٹا'' ہم جانتے ہیں کہ رجنیش جبل پور، بھارت میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے ماں باپ تھے جو بعد میں اس کے پیروکار بنے۔

iv) چوتھی کسوٹی بہت سخت ہے۔ وہ ہے کہ ''کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے'' اس موقع پر آپ ''خدا'' کو تصور کر کے کسی دوسرے ''خدائی کے اُمیدوار'' سے اس کا موازنہ کیجئے اور سوچیے کہ ایسا ناممکن ہے۔ ایک سچے خدا کی ذہنی تصویر بنا لینا بھی ناممکن ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ رجنیش ایک سفید بھری ہوئی ڈاڑھی والا انسان ہی تھا۔ اس کے دو کان، دو

آنکھیں، ایک ناک اور ایک منہ تھا جو بڑی تعداد میں دستیاب اس کی تصاویر اور پوسٹر میں نمایاں ہیں۔ آپ تصور کیجیے کہ خدا کیا ہوتا ہے، یقیناً وہ (رجنیش) خدا نہیں ہے۔

اب خدا کے تصور کا موازنہ ''مسٹر یونیورس'' سے کیجیے۔ جو جسمانی لحاظ سے دنیا کا طاقتور ترین انسان ہوتا ہے۔ اب اس جانچ پرکھ کے کیا نتائج ہو سکتے ہیں۔ یہی نا! کہ اس کسوٹی پر کوئی پورا نہیں اُتر سکتا سوائے ''سچے خدا کے۔''

ہم خدا کو کس نام سے پکاریں؟

مسلمان انگریزی لفظ ''God'' کے بجائے لفظ اللہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ عربی میں یہ نام ''اللہ'' خالص اور یکتا ہے۔ جب کہ انگریزی لفظ ''God'' اس کی جگہ نہیں لے سکتا کیونکہ انگریزی لفظ میں تاویل کی گنجائش زیادہ ہے۔

اگر آپ لفظ ''God'' کے آخر میں S کا اضافہ کر دیں تو یہ ''Gods'' بن جائے گا، یعنی خدا کی جمع۔ اس کے مقابلے میں لفظ اللہ ایک اور واحد ہے اور اسے جمع کے صیغے کے لیے بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ اب اگر آپ God کے لفظ کے آگے ''Dess'' کا اضافہ کر دیں تو یہ ''Goddess'' ہو جائے گا جس کا مطلب ہے خدا کی مؤنث یا مادہ۔ جبکہ مذکر اللہ (Male Allah) اور مؤنث اللہ (Female Allah) جیسی کوئی شے نہیں ہے۔ اسی طرح انگریزی لفظ God میں Tin کا سابقہ لگا دیا جائے تو یہ Tin-God بن جائے گا جس کے معنی ''جعلی خدا'' کے ہیں۔ تو لفظ ''اللہ'' نہایت منفرد اور یکتا لفظ ہے جسے بولتے وقت کوئی تصویر ذہن میں نہیں آتی اور اس لفظ کو ادل بدل کر اس سے کھیلا بھی نہیں جا سکتا۔ اسی طرح مسلمان لفظ اللہ کہنے کو ہی ترجیح دیتے، تاہم کبھی کبھار وہ غیر مسلموں سے بات کرتے ہوئے God کا لفظ کہہ دیتے ہیں جو کہ بہت موزوں لفظ نہیں ہے۔ چونکہ اس کتاب میں میرے مخاطب مسلم اور غیر مسلم دنوں ہی ہیں، اسی لیے میں نے مضمون میں کئی جگہ اللہ کے بجائے خدا (God) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

خدا، انسان نہیں ہوسکتا!

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب خدا سب کچھ کر سکتا ہے تو وہ انسانی شکل میں کیوں نہیں آ سکتا؟ اگر خدا چاہے تو وہ انسانی صورت میں آ سکتا ہے۔ تاہم اس کے بعد وہ خدا نہیں رہے گا کیونکہ خدا اور انسان کی خصوصیات کئی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

اگلے پیراگراف میں آپ پڑھیں گے کہ خدا کے انسان بننے میں منطقی لحاظ سے کتنا تضاد موجود ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ خدا لافانی یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جب کہ انسان فانی ہے اور اسے موت آتی ہے۔ کوئی شخص بھی خدائی انسان (God-Man) نہیں ہوسکتا یعنی ایسا انسان جو کبھی نہ مرتا ہو یعنی بہ یک وقت انسان بھی ہو اور ساتھ ہی لافانی بھی ہو۔ یہ تو بے معنی بات ہوئی۔ خدا کی کوئی ابتدا ہی نہیں ہے جبکہ انسان کی ابتدا ہوتی ہے۔ کوئی انسان ایسا موجود نہیں جس کی ابتدا نہیں ہوئی ہو اور ہوئی بھی ہو۔ پھر انسانوں کا آخری وقت بھی آتا ہے۔ ایسا کوئی شخص موجود نہیں بہ یک وقت جس کا کوئی اختتام نہ ہو اور اختتام بھی ہو، اسی لیے یہ بات بھی بے معنی ہی ہے۔

خدائے بزرگ و برتر کو غذا کی ضرورت نہیں جب کہ انسان کو زندہ رہنے اور نشوونما کے لیے غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔

﴿ قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ یُطْعِمُ وَ لَا یُطْعَمُ ﴾ [۶: ۱۴]

”کہو اللہ کو چھوڑ کر کیا میں کسی اور کو اپنا سرپرست بنا لوں؟ اس خدا کو چھوڑ کو جو زمین و آسمان کا خالق ہے اور جو روزی دیتا ہے روزی لیتا نہیں ہے۔“

خدا کو آرام و نیند کی ضرورت نہیں ہوتی جب کہ کوئی انسان ایسا نہیں جو بنا آرام کیے مسلسل زندہ رہ سکتا ہو۔

﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ﴾

[۲۵۵:۲]

ترجمہ: ''اللہ، وہ زندۂ جاوید ہستی جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہ نہ سوتا ہے اور نہ اسے اونگھ لگتی ہے۔''

کسی دوسرے انسان کی عبادت فضول ہے

جس طرح خدا کے انسان بننے کا خیال ناقابل قبول ہے اسی طرح ہمیں اس پر بھی اتفاق کرنا چاہیے کہ کسی دوسرے انسان کی پوجا اور عبادت بھی بے کار ہے۔ اگر خدا انسان کا روپ اختیار کر لے تو وہ خدا نہیں رہے گا بلکہ اس کی تمام خصوصیات انسانوں جیسی ہی ہوں گی۔ مثال کے طور پر ایک ذہین پروفیسر کسی حادثے سے دوچار ہو کر اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے تو اس سے سبق پڑھنے اور علم حاصل کرنے والے طالب علم بے وقوف ہی کہلائیں گے۔

مزید برآں اگر خدا کا انسانی صفات اختیار کر لینا تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس کا دوبارہ خدائی صفات اختیار کرنا ناممکن ہی رہے گا کیونکہ ''انسان'' کی تعریف میں یہ بات شامل ہے کہ وہ خدا نہیں بن سکتا لہٰذا کسی انسان میں اُلوہیت فرض کر کے اس کی پرستش کرنا محض ایک منطقی مغالطہ ہے جو اپنی تمام صورتوں میں قابلِ نفرت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن عظیم عقیدہ بشری پیکر یعنی خدا کے انسانی روپ میں آنے کے ہر تصور کو رد کرتا ہے۔ قرآن عظیم درج ذیل آیت میں کہتا ہے:

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ ﴾ [۱۱:۴۲]

ترجمہ: ''کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں، وہ سب کچھ دیکھنے اور سننے والا ہے۔''

خدا غیر خدائی کام نہیں کر سکتا

خدائے بزرگ و برتر سے کسی غلط کام کی توقع رکھنا بھی محال ہے کیونکہ وہ انصاف، رحم

وکرم اور سچائی کا سرچشمہ ہے۔ خدا کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ کوئی ایسا کام کرے گا جو اس کی شان سے فروتر ہو۔ اسی لیے ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ خدا غلط بیانی، ناانصافی، غلطی کرنے یا انسانوں کی طرح چیزوں کو بھول جانے کا کام بھی کر سکتا ہے۔ اسی طرح خدا ناانصافی پر قدرت تو ضرور رکھتا ہے مگر وہ ایسا کبھی نہیں کرے گا کیونکہ ناانصافی کا عمل ایک غیر خدائی فعل ہے۔

قرآن عظیم کہتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ [۴: ۴۰]

”اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ اسے دو چند کرتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔“

اگر خدا چاہے تو وہ ناانصافی کر سکتا ہے مگر جس لمحے خدا ناانصافی کرے گا وہ خدا نہیں رہے گا کیونکہ یہ اس کی صفت نہیں ہے۔

خدا نہ غلطیاں کرتا ہے اور نہ ہی بھولتا ہے

خدا کسی چیز اور بات کو نہیں بھولے گا کیونکہ بھول جانا ایک ایسا عمل ہے جو خدا کے لیے نہیں ہو سکتا بلکہ یہ انسانی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح خدائے بزرگ و برتر کوئی غلطی نہیں کرتا کیونکہ غلطی کرنے کا عمل ایک غیر خدائی عمل ہے۔

﴿ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَ لَا يَنْسَى ﴾ [۲۰: ۵۲]

”موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا“ اس کا علم میرے رب کے پاس ایک نوشتے میں محفوظ ہے۔ میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔“

خدا، خدائی کام ہی کرتا ہے

وہ (خدا) ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے: خدا کے متعلق یہ اسلامی تصور ہے کہ وہ ہر چیز کی قدرت اور طاقت رکھتا ہے۔ قرآن میں کئی جگہ آیا ہے:

﴿ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْر ﴾

''اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' [۲:۱۰۶]

[۲:۱۰۹]، [۲:۲۸۴]، [۳:۲۹]، [۱۶:۷۷]، [۳۵:۱]

قرآن مزید کہتا ہے:

﴿ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُهٗ ﴾ [۸۵:۱۶]

''اور جو کچھ چاہے کر ڈالنے والا ہے۔''

ہمارے لیے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ خدا صرف خدائی کام ہی کرتا ہے اور غیر خدائی کام نہیں کرتا۔

بیشتر مذاہب میں ہمیں حلول کا عقیدہ براہِ راست یا بالواسطہ، کہیں نہ کہیں نظر آ ہی جاتا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کی ذات اتنی مقدس اور خالص ہے کہ وہ انسانی مجبوریوں، مشکلات اور احساسات سے ناواقف ہے۔ اسی لیے خدا زمین پر انسان کے روپ میں اترا تھا تاکہ انسانوں کے لیے واضح اُصولوں کا تعین کر سکے۔ دھوکے پر مبنی اسی منطق نے ہر زمانے میں لاتعداد لوگوں کو مغالطے میں رکھا ہے۔ اب ہم اسی بات کا تجزیہ کریں گے اور دیکھیں گے کہ آیا اس کی کوئی توجیہ ہے بھی یا نہیں۔

خالق نے ہی ہدایتی کتابچہ تیار کیا ہے

اللہ نے ہم انسانوں کو تجزیہ کرنے کی صلاحیت اور ذہانت سے نوازا ہے۔ ہم خصوصی کاموں کے لیے ایجادات اور آلات تیار کرتے آئے ہیں۔ مثلاً ہم بڑی تعداد میں ٹیپ ریکارڈ بناتے ہیں۔ ٹیپ ریکارڈ کے لیے کیا چیز بہتر ہے اور کیا نہیں، یہ بات سمجھانے کے لیے ٹیپ

ریکارڈ بنانے والا خود ٹیپ ریکارڈ نہیں بن جاتا۔ اس کا سادہ سا حل یہی ہے کہ ٹیپ ریکارڈر کے ساتھ ایک (Instruction Manual) فراہم کر دیا جائے کیونکہ وہ ادارہ ٹیپ ریکارڈ کی ہر شے سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی مشین کے ہدایتی کتابچے میں یہ درج ہوتا ہے کہ مشین سے کیا کام لیا جا سکتا ہے، کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔

اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم انسان بھی ایک مشین ہی ہیں اور یقیناً ہم اللہ رب العزت کی ایک پیچیدہ تخلیق ہیں۔ ہمارے خدائے بزرگ و برتر کو قطعاً یہ ضرورت نہیں کہ انسان کو اچھا یا بُرا سمجھانے کے لیے خود انسان کے روپ میں زمین پر آئے بلکہ اس کا کام یہی ہے کہ وہ پوری انسانیت کی رہنمائی کے لیے ہدایتی کتابچے بھیجے یا نازل کرے۔ قرآنِ عظیم بنی نوع انسان کے لیے ایک رہنما کتاب ہی تو ہے۔

اس کے علاوہ اللہ قیامت کے روز ہم سے حساب کتاب لے گا۔ یہ بات سمجھ میں بھی آتی ہے کیونکہ بنانے والے نے ہمیں بتا دیا ہے کہ زندگی میں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔

اللہ پیغمبروں کا انتخاب کرتا ہے

اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ ہدایات کی کتاب پہنچانے کے لیے خود زمین پر آئے۔ اپنا مقدس پیغام دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں سے خاص لوگوں کا انتخاب کیا ہے۔ یہ منتخب کردہ عظیم لوگ خدا کے پیغمبر اور رسول کہلاتے ہیں۔

کچھ لوگ اندھے اور بہرے ہیں

خدا کے انسانی روپ میں آنے کا فلسفہ اگرچہ نامعقول ہے مگر اس کے باوجود کئی مذاہب کے ماننے والے اس پر یقین رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔ کیا یہ اس انسانی ذہانت کی توہین نہیں ہے جو خدا نے ہمیں دی ہے؟ اللہ نے ایسے لوگوں کو دیکھنے اور سننے کے قابل بنایا ہے لیکن پھر بھی یہ لوگ دراصل ''اندھے'' اور ''بہرے'' ہیں۔

قرآن عظیم کہتا ہے:

﴿ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴾[۲:۱۸]

''یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، یہ اب نہ پلٹیں گے۔''

متی کی انجیل میں بھی یہی پیغام ملتا ہے:

''وہ نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔'' [متی ۱۳:۱۳]

ہندوؤں کی کتاب رگ وید میں بھی ایسا ہی پیغام آیا ہے:

''کچھ لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو الفاظ دیکھتے ہیں مگر دراصل ان کو نہیں دیکھ رہے ہوتے، جبکہ دوسرے ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو ان الفاظ کو سنتے ہیں مگر حقیقت میں وہ ان الفاظ کو نہیں سن رہے ہوتے۔'' [رگ وید ۴:۷۱:۱۰]

مذکورہ بالا تمام کتابوں میں ان (کتابوں) کے پڑھنے والوں سے یہی کہا جا رہا ہے کہ اگرچہ تمام چیزیں بہت صاف ہیں مگر پھر بھی وہ لوگ سچائی سے دور ہٹ چکے ہیں۔

صفاتِ خداوندی

اللہ تعالیٰ سے بہت سے خوبصورت نام منسوب ہیں۔

قرآن کہتا ہے:

﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ﴾ [۱۷:۱۱۰]

''اے نبیؐ! ان سے کہو''اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو اُس کے لیے اچھے ہی نام ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے خوبصورت ناموں کے متعلق اسی طرح کے پیغامات قرآن مجید کی ان آیات میں بھی دہرائے گئے ہیں۔

[سورۃ الاعراف ۷:۱۸۰]

[سورۃ طٰہٰ ۲۰:۸] اور

[سورۃ الحشر ۵۹:۲۳۔۲۴]

قرآن عظیم، اللہ تعالیٰ کی جو صفات یا خاصیتیں بیان کرتا ہے وہ ۹۹ سے کم نہیں ہیں جبکہ اللہ کا لفظ سب سے اعلیٰ اور بلند نام ہے۔ قرآن عظیم اللہ تعالیٰ کے لیے جو نام استعمال کرتا ہے ان میں ''الرحمٰن''، ''الرحیم''، اور ''الحکیم'' بہت سے ناموں میں سے چند ہیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کو کسی بھی صفاتی نام سے پکار سکتے ہیں مگر وہ خوبصورت ہونا چاہیے اور اس میں کوئی تجسیم کا پہلو نہیں ہونا چاہیے۔

خدا کی ہر صفت یکتا اور اسی کے لیے مخصوص ہے

خدا نہ صرف بالکل انوکھی اور یکتا صفات رکھتا ہے بلکہ خدا کی ہر صفت اور خاصیت اس کی

شناخت کے لیے کافی ہے۔ میں اس بات کو آگے تفصیل سے بیان کروں گا۔ ہم پہلے اسے سمجھنے کے لیے کسی مشہور شخص مثلاً نیل آرمسٹرانگ کی مثال لیتے ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نیل آرمسٹرانگ امریکی ہے۔ نیل آرمسٹرانگ کے امریکی ہونے کی خاصیت درست تو ہے مگر اس کی اصل شناخت کے لیے کافی نہیں ہے۔ ساتھ ساتھ نیل آرمسٹرانگ خلا نورد بھی ہے۔ اسی لیے کسی منفرد اور یکتا شخص کی شناخت کے لیے اس کی خاصیت بھی یکتا ہی ہونی چاہیے۔ مثلاً نیل آرمسٹرانگ وہ پہلا شخص تھا جس نے چاند پر قدم رکھا تھا۔ تو اگر کوئی یہ کہے کہ کس شخص نے سب سے پہلا قدم رکھا تو اس کا جواب ہوگا ''نیل آرمسٹرانگ''۔ اللہ رب العزت کی صفات کو بھی یکتا اور منفرد ہونا چاہیے۔ مثلاً کائنات کا خالق، اگر میں یہ کہوں کہ وہ عمارت کا خالق بھی ہے تو یہ ممکن بھی ہے اور سچ بھی مگر یہ کوئی انوکھی صفت نہیں ہے۔ ہزاروں دوسرے لوگ بھی عمارتیں بناتے ہیں اور یوں خدا اور انسان کے درمیان کوئی فرق نہیں رہتا۔ اسی لیے اللہ کی صفات بھی منفرد ہیں جو کسی بھی اور شے کو بیان نہیں کرتیں سوائے اللہ رب العزت کے۔

مثال کے طور پر:

الرحمٰن، [سب سے زیادہ رحم کرنے والا]

الرحیم، [سب سے زیادہ مہربان]

الحکیم، [سب سے زیادہ دانا]

تو اگر کوئی سوال کرے کہ ''الرحیم'' کون ہے تو اس کا صرف ایک ہی جواب ہوگا، اللہ رب العزت۔

خدا کی ایک صفت دوسری صفت کو رد نہیں کرتی

ہم سمجھنے کے لیے دوبارہ نیل آرمسٹرانگ کی مثال دیکھتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ نیل آرمسٹرانگ امریکی خلا نورد ہے اور صرف چار فٹ لمبا ہے تو پہلی خاصیت (امریکی خلا نورد) تو

درست ہوگی مگر اس سے وابستہ دوسری خاصیت (کہ وہ صرف چار فٹ لمبا ہے) یہ بات غلط ہو گی۔ اسی طرح کوئی یہ کہے کہ خدا کائنات کا خالق ہے جس کا ایک سر، دو ہاتھ اور دو پاؤں ہیں وغیرہ۔ تو پہلی صفت (خدا کائنات کا خالق ہے) درست ہے مگر دوسری بات (انسانی جسم میں ہونا) بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔

تمام صفات ایک ہی خدائے واحد کے لیے ہیں

چونکہ خدا صرف ایک ہی ہے تو یہ ضروری ہے کہ تمام خاصیتیں صرف ایک خدا اور اسی خدا کو بیان کریں۔ نیل آرمسٹرانگ کا بیان کرتے ہوئے یہ کہنا غلط ہوگا کہ اس (نیل آرمسٹرانگ) نے چاند پر پہلا قدم رکھا اور دوسرا ایڈون آلڈرن تھا۔ دونوں کی صفات جدا جدا ہیں۔ یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ خالق ایک خدا ہوا اور پالنے پوسنے والا خدا دوسرا۔ کیونکہ ایک واحد اور یکتا خدا ہی مجموعی طور پر ان تمام صفات کا مالک ہے۔

خدا کی وحدانیت

کثرت پرست یعنی کئی خداؤں کو ماننے والے بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک سے زیادہ خداؤں کا تصور غیر منطقی نہیں ہے۔ اب ہم اسی نکتے پر غور کریں گے بہت سارے خدا ہونے کی صورت میں وہ ایک دوسرے سے جھگڑا بھی کر سکتے ہیں کیونکہ ہر خدا دوسرے خداؤں کے مقابلے میں اپنی خواہش اور اپنا کام کرنا چاہے گا۔ یہ منظر آپ ایسی دیو مالائی کہانیوں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں جہاں کئی خداؤں اور کائنات پرستی (کائنات اور خدا کو ایک قرار دینے کا نظریہ) کا عقیدہ کارفرما ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی خدا کسی دوسرے خدا سے شکست کھا گیا یا دوسرے خدا کو زیر کرنے میں ناکام رہا تو کیا وہ خدا ہوا؟ یقیناً وہ سچا خدا نہیں ہوسکتا۔ کثرت پرستی والے مذاہب میں بہت سے خداؤں کا تصور عام ہے ہر خدا کا کام مختلف ہوتا ہے۔ ہر ایک خدا، انسان کے وجود کے کسی حصے کا ذمہ دار ہوتا ہے مثلاً سورج کا خدا یا بارش کا خدا وغیرہ۔ اس طرح کئی کاموں کو کرنے کے لیے ایک خدا ناکافی ثابت ہوتا ہے۔ دوسری جانب ایک خدا

دیگر خداؤں کی ذمہ داریوں اور کام سے لاتعلق اور ناواقف ہوتا ہے۔

کیا خدا ناواقف اور نااہل ہو سکتا ہے؟ نہیں، بالکل نہیں۔ اگر ایک سے زاید خدا ہوئے تو اس کا نتیجہ کائنات میں بے ترتیبی، انتشار اور تباہی کی صورت میں نکلے گا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات میں مکمل نظم وضبط اور توازن موجود ہے۔

قرآنِ عظیم کہتا ہے:

﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴾ [۲۱:۲۲]

''اگر زمین و آسمان میں ایک اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو (زمین اور آسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا۔ پس پاک ہے اللہ رب العرش اُن سے باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔''

ایک سے زاید خدا ہونے کی صورت میں وہ اپنی تخلیق کردہ اشیا پر قبضہ کر لیتے۔ قرآنِ عظیم کہتا ہے:

﴿ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴾ [۲۳:۹۱]

''اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے، اور کوئی دوسرا خدا اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی خلق کو لے کر الگ ہو جاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔ پاک ہے اللہ ان باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔''

پس صرف ایک، عظیم اور بزرگ خدا کا تصور ہی منطقی لحاظ سے خدا کا درست اور سچا تصور ہے۔

کنفیوشنزم اور بدھ مت، ایسے چند مذاہب میں سے ہیں جو لاادری (یعنی ایسا مذہب جو خدا یا کائنات کی ابتدا یا کسی اور چیز کے متعلق کوئی علم رکھنے سے انکار کرتا ہے) مذاہب ہیں۔ یہ مذاہب خدا کے وجود پر کوئی بحث نہیں کرتے یہ خدا کے وجود کی نہ تو تصدیق کرتے ہیں اور نہ ہی

تردید کرتے ہیں۔ جین مت بھی ایک ایسا ہی مذہب ہے جو خدا کے انکار پر مبنی ہے اور خدا کے وجود پر یقین نہیں رکھتا۔

تمام مذاہب بالآخر وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں

خدا کے وجود پر یقین رکھنے والے تمام مذاہب بالآخر ایک ہی خدا کے تصور اور اعتقاد پر جا کر منتج ہوتے ہیں۔ اعلیٰ سطح پر جا کر یہ مذاہب ایک عظیم خدائے برتر پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ بڑے مذاہب کی کتابوں میں دراصل وحدانیت کا ہی پیغام ملتا ہے یعنی صرف ایک خدا پر اعتقاد۔

لوگوں نے اپنی ضرورت کے لحاظ سے کتابوں کو تبدیل کیا

وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں نے اپنے فایدے اور غرض کے لیے اکثر مذاہب کی کتابوں اور صحائف کو تبدیل کر دیا۔ کئی مذاہب میں توحید کا تصور مسخ ہوتے ہوتے کثرت پرستی اور ہمہ پرستی میں بدل گیا۔ قرآنِ عظیم میں تحریر ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ○ ﴾[۲:۷۹]

”پس ہلاکت اور تباہی ہے اُن لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تا کہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیں۔ ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لیے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لیے موجب ہلاکت ہے۔“

توحید

تعریف اور اس کے زمرے

اسلام ''توحید'' پر اعتقاد رکھتا ہے جو صرف ایک خدا کا تصور ہی نہیں بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہے۔ توحید کے لفظی معنی ''وحدانیت'' کے ہیں۔ اس کا مطلب صرف ایک خدا کا اقرار اور اظہار کرنا ہے۔ ''توحید'' کا لفظ عربی لفظ ''واحد'' سے نکلا ہے۔ واحد کا مطلب ہوتا ہے متحد کرنا، ایک کر دینا اور مضبوط کر دینا۔

توحید کو تین زمروں یا درجوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

i) توحید الربوبیت

ii) توحید الاسما والصفات

iii) توحید العبادۃ

i) توحید الربوبیت (خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنا)

''توحید الربوبیت'' پہلا درجہ ہے۔ ربوبیت کا لفظ عربی کے لفظ ''رب'' سے نکلا ہے۔ اس کا مطلب ہے ''مالک'' آقا حاکم یا پالنے والا۔

اسی لیے ''توحید الربوبیت'' کا مطلب ہوا رب کی وحدانیت کا اقرار کرنا اور اسے قائم رکھنا۔ توحید کا یہ درجہ سب سے بنیادی تصور ہے کہ اللہ رب العزت نے تمام اشیا کو تخلیق کیا جب کچھ بھی موجود نہ تھا۔ اس نے تمام چیزوں کو عدم سے تخلیق کیا یعنی کچھ بھی نہ تھا اور خدا نے ہر شے بنائی۔ صرف وہی اکیلا پوری کائنات اور اس میں موجود ہر شے کو تخلیق کرنے، پالنے والا اور اسے برقرار رکھنے والا ہے۔ اسے اس (کائنات) کے اندر اور اس سے باہر کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ یہ کام کسی مدد کے بغیر کر رہا ہے۔

توحید الاسماء والصفات (اللہ کے ناموں اور اس کی صفات کی وحدانیت کا اقرار کرنا)

دوسرا درجہ ''توحید الاسماء والصفات'' کا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ اللہ کے ناموں اور صفات کی وحدانیت کا اقرار کرنا۔اس درجے کے مزید پانچ پہلو ہیں۔

i) اللہ رب العزت کا حوالہ اسی طرح دینا چاہیے جیسا کہ خود اس نے اور اس کے نبی ﷺ نے بیان کیا ہے۔

اللہ کے نام اور حوالہ اسی طرح دینا چاہیے جیسے وہ اور اس کا نبی ﷺ اس (اللہ) کے لیے بیان کرتے ہیں اور یہ نام اور حوالہ اس کے واضح ناموں اور صفات سے ہٹ کر نہیں ہونا چاہیے۔

ii) اللہ کو انہی ناموں ،صفات اور حوالوں سے پکارنا چاہیے جو اس نے بیان کیے ہیں۔اسے کوئی نیا نام اور کوئی نئی صفت بیان کیے بغیر پکارنا چاہیے۔مثال کے طور پر اللہ رب العزت کو الغاضِب (ناراض ہونے والا) پکارنا غلط ہے حالانکہ اس نے خود اپنے متعلق کہا ہے کہ وہ ناراض ہوتا ہے مگر یہ لفظ اور صفت نہ ہی اللہ نے اور نہ اس کے پیغمبر ﷺ نے کبھی استعمال کی ہے۔

iii) اللہ رب العزت کا حوالہ دیتے وقت اس کی مخلوق کی صفات استعمال نہیں کرنی چاہیے۔ خدا کا ذکر کرتے ہوئے ہمیں اس کے لیے مخلوق کی صفات استعمال کرنے سے سختی سے اجتناب کرنا چاہیے۔مثلاً انجیل میں خدا کو ویسے ہی بُرے افعال پر پشیمانی کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے جیسا کہ انسان اپنی خطاؤں سے آگاہ ہوتے وقت سوچتے ہیں۔یہ توحید کے اُصولوں کی بالکل خلاف ورزی ہے۔خدا کبھی نہیں پچھتاتا کیونکہ وہ کوئی خطا نہیں کرتا اور اس سے کوئی لغزش سرزد نہیں ہوتی۔

اگرچہ سننے اور دیکھنے کا عمل انسانی صفت ہے اور انہیں انسان سے وابستہ کیا جاتا ہے لیکن جب خدائے بزرگ و برتر کے لیے یہ بات استعمال کی جاتی ہے تو انسان کے برخلاف خدائے

بزرگ و برتر میں یہ صفات کامل طور پر موجود ہوتی ہیں کیونکہ انسانوں کو دیکھنے اور سننے کے لیے آنکھوں اور کانوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کی صلاحیت بھی بہت محدود ہوتی ہے۔ انسانوں کے لیے کوئی خدا کی صفت استعمال نہیں کی جانی چاہیے۔

جو خواص اور صفات صرف خدا کے لیے مخصوص ہیں، انہیں انسانوں کے لیے استعمال کرنا توحید کے اُصول کے منافی ہے۔ مثلاً کسی انسان کے لیے یہ کہنا کہ اس کا کوئی آغاز اور کوئی انجام نہیں ہے یعنی وہ لافانی ہے۔ انسان کے لیے یہ صفت استعمال کرنا درست نہیں۔

iv) اللہ کی مخلوق کو اللہ کے صفاتی ناموں سے نہیں پکارنا چاہیے۔ البتہ چند مخصوص ناموں کو تجریدی انداز میں انسانوں کے لیے استعمال کرنے کی اجازت ہے مثلاً ''رؤف'' اور ''رحیم'' وغیرہ۔ اللہ نے یہ نام اپنے پیغمبروں کے لیے استعمال کیے ہیں۔ مگر ''الرؤف'' اور ''الرحیم'' جیسے نام انسانوں کے لیے صرف اسی صورت میں استعمال کیے جا سکتے ہیں جب ان سے پہلے ''عبد'' کا لفظ لگایا جائے۔ عبد کے معنی خادم اور غلام کے ہیں۔ اس طرح یہ نام عبدالرؤف اور عبدالرحیم ہو جائیں گے۔

توحید العبادۃ

i) عبادۃ کا مطلب اور وضاحت

توحید العبادۃ کا مطلب ہے کہ اللہ کی عبادت کو قائم کرنا۔ عبادۃ عربی کے لفظ ''عبد'' سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے خادم یا غلام۔ اسی طرح عبادۃ کا مطلب خدمت اور عبادت ہوا۔ نماز عبادت کی بلند ترین مثال ہے۔ لیکن واحد مثال نہیں۔ غلط فہمی کی بنا پر لوگ ظاہری نماز کو ہی خدا کی عبادت سمجھ لیتے ہیں مگر اسلام میں عبادت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت، سپردگی اور غلامی اختیار کی جائے۔ عبادت کا مطلب یہ بھی ہے کہ خدا کے احکامات کو مانا جائے اور اُن چیزوں سے دور رہا جائے جن سے اس نے منع کیا ہے اور عبادت صرف اسی کے لیے کی جائے۔

ii) توحید کے تینوں درجوں پر ایک ساتھ عمل کیا جائے۔

اگر توحید کی صرف پہلی دو صورتوں پر عمل کیا جائے اور توحید العبادۃ کو نظر انداز کر دیا جائے تو یہ عمل بے کار ہوگا۔ قرآن مشرکین (بتوں کی پوجا کرنے والوں) کی مثال دیتا ہے جو پیغمبر حضرت محمد مصطفی ﷺ کے عہد میں توحید کے دو اجزاء کا اقرار تو کرتے تھے مگر توحید العبادۃ پر عمل نہیں کرتے تھے۔ قرآن عظیم میں آیا ہے:

﴿ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ [۱۰:۳۱]

"ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے اللہ۔ کہو، پھر تم (حقیقت کے خلاف چلنے سے) پرہیز نہیں کرتے؟"

اسی طرح کی ایک اور مثال قرآن کی سورۃ الزخرف میں بھی آئی ہے:

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ ﴾

[۴۳:۸۷]

"اور اگر تم ان سے پوچھو کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ خود کہیں گے کہ اللہ نے، پھر کہاں سے یہ دھوکا کھا رہے ہیں۔"

مکہ کے کافر جانتے تھے کہ اللہ ہی ان کا خالق، مالک، آقا اور پالنے والا ہے۔ اس کے باوجود بھی انہیں مسلمان نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ اللہ کے ساتھ ساتھ دوسرے خداؤں کی بھی عبادت کیا کرتے تھے۔ اللہ انہیں کافر (خدا کو نہ ماننے والے) اور مشرکین (بتوں کی پوجا کرنے اور خدا کو ان کا شریک قرار دینے والے) کہتا ہے۔

قرآن عظیم میں آیا ہے:

﴿ وَ مَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ ھُمْ مُّشْرِکُوْنَ ○ ﴾

[۱۲:۱۰۶]

''ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح کہ اُس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھیراتے ہیں۔''

لہٰذا توحید العبادۃ کو توحید کا سب سے اہم ستون قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہی (اللہ) ہی ہے جو عبادت کے لائق ہے اور صرف وہی ہے جو انسان کو اپنی عبادت کے بدلے میں کچھ عطا کر سکتا ہے۔

شرک

تعریف

توحید کے متعلق اوپر بیان کیے گئے درجوں یا زمروں میں کسی قسم کی تبدیلی، کمی یا انکار کی صورت میں اسے ''شرک'' کہیں گے۔ شرک کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی خدائی صفات یا اس کی خصوصیات میں کسی کو شریک بنانا۔ اسلامی لحاظ سے دیکھیں تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور یہ بت پرستی کے ہی برابر ہے۔

شرک وہ سب سے بڑا گناہ ہے جسے اللہ رب العزت معاف نہیں کرے گا

قرآن کی سورۃ النساء میں شرک کو سب سے بڑا گناہ کہا گیا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًاo ﴾[۴:۴۸]

''اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھیرایا اس نے تو بہت ہی بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔''

سورۃ النساء میں آگے اسی پیغام کو یوں دہرایا گیا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًاo ﴾[۴: ۱۱۶]

''اللہ کے ہاں بس شرک ہی کی بخشش نہیں ہے۔ اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہوسکتا ہے، جسے وہ معاف کرنا چاہے۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرایا

وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔“

عبادت اور اطاعت کسی کی نہیں سوائے اللہ کے

قرآنِ عظیم سورۃ آل عمران میں کہتا ہے:

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ٥ ﴾[۳:۶۴]

”اے نبیؐ! کہو“ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی واطاعت کرنے والے) ہیں۔“

شرک جہنم کی آگ کی طرف لے جاتا ہے

سورۃ المائدہ میں قرآن فرماتا ہے:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ٥ ﴾ [۵: ۷۲]

”یقیناً کفر کیا اُن لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ، مسیح (علیہ السلام) ابن مریم ہی ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا تھا کہ ”اے بنی اسرائیل! اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی“، جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرایا، اس پر اللہ نے جنت حرام کردی، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“

اختتام اور خلاصہ

قرآن عظیم کہتا ہے:

﴿ وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾[٦: ١٠٨]

"(اور اے مسلمانو) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انھیں گالیاں نہ دو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں، ہم نے تو اسی طرح ہر گروہ کے لیے اس کے عمل کو خوش نما بنا دیا ہے پھر انھیں اپنے رب کی طرف پلٹ کر آنا ہے اس وقت وہ انھیں بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں۔"

﴿ وَ لَوْ اَنَّ مَا فِى الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾

[۳۱: ۲۷]

"زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائیں) جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں (لکھنے سے) ختم نہ ہوں گی۔ بے شک اللہ زبردست اور حکیم ہے۔"

﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ﴾

[۲۲: ۷۳]

''لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے، غور سے سنو۔ جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو، وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو اسے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور۔''

اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو خالق، مالک، آقا اور دنیاؤں کو پالنے والا ہے۔

حصہ دوم

اسلام کے بارے میں
غیر مسلموں کے بیس سوال

تعارف

دعوۃ (دعوتِ دین) ایک فرض ہے

اکثر مسلمان جانتے ہیں کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے، جو سارے کا سارا بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اور مسلمانوں کو ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ اللہ رب العزت کا پیغام ساری انسانیت تک پہنچائیں۔ افسوس کہ آج کے بیشتر مسلمان اپنے اس فرض سے غافل ہو گئے ہیں۔ وہ یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام ہی ہمارے لیے زندگی گزارنے کا بہترین راستہ ہے، مگر ہم مسلمانوں کی اکثریت یہ خواہش نہیں رکھتی کہ اسلام کا یہ پیغام ان لوگوں تک بھی پہنچایا جائے جو اس نعمت سے محروم ہیں۔

دین کی دعوت اور تبلیغ کے لیے عربی میں لفظ ''دعوۃ'' استعمال ہوتا ہے، جس کا مطلب (کسی کو) پکارنا یا (کسی بات کے لیے) دعوت دینا ر بلاوا دینا ہے۔ اسلامی سیاق وسباق میں اس کا مفہوم ''اللہ کے دین (اسلام) کو پھیلانے کی کوشش کرنا'' ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ [سورۃ:۲، آیت:۱۴۰]

''اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کے ذمے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے؟ تمہار ی حرکات سے، اللہ غافل تو نہیں ہے۔''

بیس عمومی سوالات

اسلام کا پیغام (دوسروں تک) پہنچانے کے لیے مکالمہ اور تبادلۂ خیال ناگزیر ہیں۔

قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝ ﴾ [سورۃ:۱۶، آیت:۱۲۵]

"اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔ تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔"

اسلام کا پیغام غیر مسلموں تک پہنچانے میں عام طور پر یہ کافی نہیں ہوتا کہ اسلام کی مثبت فطرت پر روشنی ڈال کر ہی بس کر دیا جائے۔ بہت سے غیر مسلم، اسلام کی سچائی اور حقانیت کے قائل نہیں ہوتے کیونکہ ان کے ذہن کے گوشوں میں اسلام کے بارے میں کچھ ایسے سوالات بھی موجود ہوتے ہیں جو (اسلام سے ابتدائی تعارف ہو جانے کے باوجود) جواب طلب ہی رہتے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ وہ اسلام کی مثبت فطرت سے متعلق آپ کی باتوں سے متفق ہو جائیں۔ لیکن، عین اسی موقع پر، وہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں "ہاں! لیکن آپ لوگ تو وہی مسلمان ہیں ناں، جو ایک وقت میں کئی عورتوں سے شادی کرتے ہیں۔ آپ وہی لوگ تو ہیں جو عورتوں کو پردے میں رکھ کر ان کی حق تلفی کرتے ہیں۔ آپ لوگ بنیاد پرست بھی تو ہیں" وغیرہ۔

ذاتی طور پر میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ غیر مسلموں سے یہ پوچھا جائے کہ اُن کے اپنے محدود علم کے مطابق (خواہ وہ صحیح ہو یا غلط اور چاہے اس کا ذریعہ کچھ بھی ہو) اسلام میں ایسا کیا ہے جو انہیں غلط محسوس ہوتا ہے۔ میں ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہوں کہ وہ نہایت دوستانہ اور آزادانہ انداز اختیار کریں، اور (میں) پہلے انہیں اس بات پر قائل کرتا ہوں کہ اسلام کے بارے میں تنقید برداشت کر سکتا ہوں۔

گزشتہ چند سال کے دوران دعوت و تبلیغ کے ضمن میں میرا جو تجربہ رہا ہے، اس کی روشنی میں مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ ایک عام غیر مسلم کے ذہن میں اسلام کے متعلق بمشکل تمام بیس سوالات سب سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔ جب کبھی آپ کسی غیر مسلم سے پوچھیں "آپ کے

نزدیک اسلام میں کیا خرابی یا برائی ہے؟'' تو وہ آپ کے سامنے پانچ سے چھ سوالات پیش کر دیتا ہے اور یہ تمام سوالات بھی انہی بیس سوالوں میں شامل ہیں جو غیر مسلم عموماً اسلام کے بارے میں کرتے ہیں۔

اکثریت کو عقلی جوابات سے قائل کیا جاسکتا ہے

اسلام کے بارے میں پوچھے جانے والے بیس عام ترین سوالات کے جوابات عقلی دلیل اور منطق کے ذریعے دیے جاسکتے ہیں۔ غیر مسلموں کی اکثریت کو ان جوابات سے قائل کیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان ان جوابات کو صرف ذہن نشین بھی کر لے تو ان شاء اللہ وہ اس معاملے میں کامیاب رہے گا۔ اور اگر وہ غیر مسلموں کو اسلام کی مکمل اور آفاقی سچائی پر قائل نہیں بھی کر پایا، تب بھی وہ کم از کم ان غلط فہمیوں کا ازالہ تو ضرور ہی کر دے گا جو اسلام کے حوالے سے غیر مسلموں کے ذہنوں میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی اسلام کے بارے میں ان کی منفی سوچ کو معتدل کر سکے گا۔ بہت ہی کم غیر مسلم ایسے ہیں جو ان جوابات کا رد کرنے کے لیے مزید دلائل لاتے ہیں، جن کے لیے مزید معلومات کی ضرورت ہوسکتی ہے۔

ذرائع ابلاغ (میڈیا) کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیاں

بیشتر غیر مسلموں کے ذہنوں میں اسلام کے حوالے سے موجود غلط فہمیوں کی وجہ یہ ہے کہ ان پر ذرائع ابلاغ کی جانب سے اسلام کے بارے میں غلط معلومات کی بمباری مسلسل جاری رہتی ہے۔ بین الاقوامی میڈیا کے بڑے حصے پر مغربی دنیا کی اجارہ داری ہے۔ چاہے وہ عالمی سیٹلائٹ چینل ہوں، ریڈیو اسٹیشن ہوں، اخبارات و رسائل ہوں یا کتابیں ہوں۔ حال ہی میں انٹرنیٹ بھی اطلاعات کا ایک طاقتور ذریعہ بن چکا ہے۔ اگرچہ اس پر کسی کا کنٹرول نہیں ہے لیکن پھر بھی انٹرنیٹ پر اسلام کے بارے میں منفی اور زہر آلود پروپیگنڈے کی بھرمار ہے۔ بے شک، مسلمان بھی انٹرنیٹ کو اسلام اور مسلمانوں کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں، لیکن اسلام دشمن پروپیگنڈا کرنے والوں کے مقابلے میں وہ بہت پیچھے ہیں۔

مجھے اُمید ہے کہ مسلمانوں کی کوششیں جاری رہیں گی اور ان میں اضافہ ہوگا، ان شاء اللہ۔

وقت کے ساتھ بدلتی غلط فہمیاں

اسلام کے حوالے سے اُٹھائے جانے والے عمومی سوالات مختلف ادوار میں مختلف رہے ہیں۔ بیس عمومی سوالات کا زیر نظر مجموعہ موجودہ دور کے لحاظ سے ہے۔ عشروں پہلے عمومی سوالات کا مجموعہ کچھ اور تھا۔ یہ مجموعہ آنے والے وقت میں تبدیل ہوسکتا ہے، جس کا انحصار اس بات پر ہے کہ عالمی ذرائع ابلاغ اسلام کی کیسی تصویر عوام الناس کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

ساری دنیا میں ایک جیسی غلط فہمیاں

دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف لوگوں سے ملنے کے بعد مجھے یہ معلوم ہوا کہ اسلام کے بارے میں یہ بیس عمومی سوالات ہر جگہ بالکل یکساں ہیں۔ کسی مخصوص علاقے، ماحول یا تمدن کے پیش نظر ان میں چند ایک سوالات کا اضافہ ہوسکتا ہے مثلاً، امریکہ میں عام پوچھا گیا اضافی سوال یہ تھا: ''اسلام میں سود لینے اور دینے کی ممانعت کیوں ہے؟''

میں نے ان بیس عمومی سوالات میں چند ایسے مخصوص سوالات بھی شامل کر دیے ہیں جو (اسلام کے حوالے سے) ہندوستانی غیر مسلموں کے ذہنوں میں سر اُٹھاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مسلمان غیر سبزیاتی (نان ویجی ٹیرین) غذا کیوں کھاتے ہیں؟ یہ سوالات شامل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی نژاد لوگ ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ دنیا کی آبادی کا ۲۰ فیصد، یعنی پانچواں حصہ بناتے ہیں۔ لہٰذا، ان کے سوالات بھی دنیا بھر کے غیر مسلموں کی جانب سے کیے جانے والے عمومی سوالات میں شامل ہو جاتے ہیں۔

ان غیر مسلموں کی غلط فہمیاں جنہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے

کئی غیر مسلم ایسے بھی ہیں جنہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہوا ہے۔ ان میں سے بیشتر نے اسلام پر لکھی گئی ایسی کتابیں پڑھی ہیں جن میں اسلام پر جانب دارانہ اور متعصبانہ تنقید کی گئی ہے۔ ایسے غیر مسلموں میں اسلام کے حوالے سے بیس اضافی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً وہ قرآن پاک میں تضادات کا دعویٰ کرتے ہیں، ان میں یہ تاثر ہے کہ قرآن پاک غیر سائنسی ہے وغیرہ۔ ایسے اعتراضات کے لیے بیس جوابات کا ایک اضافی مجموعہ ہے، جس کا مقصد ان

غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا ہے .... کیونکہ ان غیر مسلموں نے اسلام کا مطالعہ مسخ شدہ ذرائع سے کیا ہے۔ ان سب کے علاوہ میں نے اپنی تقریروں اور ایک کتاب میں بھی ایسے بیس سوالوں کے جواب دیے ہیں جو زیادہ عام نہیں ہیں اور اُن غیر مسلموں کی جانب سے کیے جاتے ہیں جنھوں نے اسلام کا تھوڑا بہت مطالعہ کرر کھا ہے۔

ا۔ کثرتِ ازدواج

سوال: اسلام میں مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت کیوں ہے؟ یعنی اسلام میں کثرتِ ازدواج کی اجازت کیوں ہے؟

جواب:

کثرتِ ازدواج کی تعریف:

کثرتِ ازدواج (پولی گیمی) سے مراد شادی کا ایک ایسا نظام ہے جس کے تحت ایک فرد ایک سے زیادہ شریکِ حیات رکھ سکتا ہو۔ کثرتِ ازدواج دو طرح کی ہو سکتی ہے۔ اس کی ایک شکل ''پولی گائنی'' (Polygyny) ہے جس کے تحت ایک مرد ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کر سکتا ہو، جبکہ اس کی دوسری صورت ''پولی اینڈری'' (Polyandry) ہے جس میں ایک عورت کئی مردوں سے بیک وقت شادی رچا سکتی ہے۔ اسلام میں محدود ''پولی گینی'' کی اجازت تو ہے، لیکن پولی اینڈری کی مکمل ممانعت ہے۔

اب میں اصل سوال کی طرف آتا ہوں، یعنی یہ کہ اسلام میں مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت کیوں ہے؟

قرآن پاک دنیا کی وہ واحد مذہبی کتاب ہے جو ''صرف ایک سے شادی کرو'' کا حکم دیتی ہے:

اس پوری دنیا میں صرف اور صرف قرآنِ پاک ہی وہ واحد مذہبی (الہامی) کتاب ہے، جس میں یہ جملہ موجود ہے: ''صرف ایک سے شادی کرو'' دوسری کوئی مذہبی کتاب ایسی نہیں ہے جو مرد کو صرف ایک بیوی رکھنے کا حکم دیتی ہو۔ کسی دوسری مذہبی کتاب میں، چاہے وہ ویدوں میں سے کوئی ہو، رامائن ہو، مہا بھارت ہو، گیتا ہو، زبور ہو یا انجیل، کسی میں بھی مرد کے

لیے بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی عاید نہیں کی گئی ہے۔ ان تمام کتابوں کے مطابق، کوئی مرد ایک وقت میں جتنی عورتوں سے چاہے، شادی کر سکتا ہے۔ یہ تو بہت بعد کی بات ہے جب ہندو پنڈتوں اور عیسائی کلیسا (چرچ) نے بیویوں کی تعداد کو محدود کر کے صرف ایک کر دیا۔

ہندوؤں کی اپنی مذہبی شخصیات، خود ان کی اپنے کتابوں کے مطابق ایک وقت میں کئی بیویاں رکھتی تھیں۔ مثلاً رام کے باپ، یعنی راجہ دسرتھ کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔ خود کرشنا کی کئی بیویاں تھیں۔

ابتدائی زمانے میں عیسائی مردوں کو اتنی بیویاں رکھنے کی اجازت تھی کہ جتنی وہ چاہیں کیونکہ انجیل میں بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی عاید نہیں کی گئی ہے۔ یہ تو صرف آج سے چند صدیوں پہلے کا واقعہ ہے کہ جب کلیسا نے بیویوں کی تعداد کو ایک تک محدود کر دیا۔

یہودیت میں بھی ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ زبور میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں، جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام (بیک وقت) سیکڑوں بیویوں کے شوہر تھے۔ کثرتِ ازدواج کا یہ عمل (یہودیوں میں) ربّی گرشم بن یہودا (۹۶۰ء تا ۱۰۳۰ء) تک جاری رہا۔ گرشم نے اس عمل کے خلاف مذہبی حکم نامہ جاری کیا تھا۔ مسلم ممالک میں آباد یہودی جو بالعموم سپین اور شمالی افریقہ کے یہودیوں کی اولاد تھے، انہوں نے عشرہ ۱۹۵۰ء کے اختتام تک یہ سلسلہ جاری رکھا، یہاں تک کہ اسرائیل کے سب سے بڑے ربّی نے ایک مذہبی قانون کے ذریعے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے پر (یہودیوں کے لیے) عالمگیر پابندی عاید کر دی۔

دلچسپ نکتہ

ہندوستان میں ۱۹۷۵ء کی مردم شماری کے مطابق، مسلمانوں کی بہ نسبت ہندوؤں میں کثرتِ ازدواج کی شرح زیادہ تھی۔ ۱۹۷۵ء میں ''کمیٹی آف دی اسٹیٹس آف وومن اِن اسلام'' کی شائع کردہ رپورٹ میں صفحہ ۶۶ اور ۶۷ پر یہ بتایا گیا ہے کہ ۱۹۵۱ء اور ۱۹۶۱ء کے درمیانی برسوں میں ۵ء۶ فیصد ہندو کثیر الازدواج تھے، جبکہ اسی عرصے میں مسلمانوں کی صرف

۳۱ء۴ فیصد تعداد کی ایک سے زاید بیویاں تھیں۔ ہندوستانی قانون کے مطابق، صرف مسلمان مردوں ہی کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ غیر مسلموں کے لیے کثرتِ ازدواج غیر قانونی ہونے کے باوجود، مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں میں کثرتِ ازدواج کی شرح زیادہ تھی۔ اس سے پہلے ہندو مردوں پر بھی بیویوں کی تعداد کے معاملے میں کوئی پابندی نہیں تھی۔ ۱۹۵۴ء میں ''ہندو میرج ایکٹ'' منظور ہونے کے بعد سے ہندوؤں کے لیے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے پر پابندی عاید ہوئی۔ اس وقت بھی، ہندوستانی قانون کی رُو سے کسی ہندو کے لیے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا غیر قانونی ہے، لیکن ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کے مطابق آج بھی ان پر ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔

چلیے، اب ہم یہ تجزیہ کرتے ہیں کہ آخر اسلام میں مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟

قرآن پاک، کثرتِ ازدواج کو محدود کرتا ہے

جیسا کہ میں نے پہلے بتایا، قرآن پاک وہ واحد مذہبی کتاب ہے جو کہتی ہے: ''صرف ایک سے شادی کرو'' اس نکتے کا سیاق وسباق، قرآن پاک کی درج ذیل آیت میں موجود ہے، جو سورۃ النساء کی ہے:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ ﴾ [سورۃ:۴، آیت:۳]

''اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا اُن عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضے میں آتی ہیں۔ یہ بے انصافی سے بچنے کے لیے زیادہ قرین صواب ہے۔''

قرآنِ پاک کے نزول سے پہلے کثرتِ ازدواج کی کوئی انتہائی حد متعین نہیں تھی، لہٰذا مردوں کی بیک وقت کئی بیویاں ہوتی تھیں اور یہ تعداد بسا اوقات سیکڑوں تک پہنچ جایا کرتی تھی۔ اسلام نے چار بیویوں کی انتہائی حد مقرر کردی۔ اسلام کسی مرد کو دو، تین یا چار شادیوں کی اجازت تو دیتا ہے، لیکن صرف اور صرف اس شرط کے ساتھ کہ وہ ان سب کے ساتھ انصاف کر سکے۔

اسی سورۂ مبارکہ، یعنی سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۲۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ ﴾ [سورۃ:۴، آیت:۱۲۹]

”بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا (قانونِ الٰہی کا منشا پورا کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ) ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو اُدھر لٹکتا چھوڑ دو۔ اگر تم اپنا طرزِ عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

لہٰذا کثرتِ ازدواج کوئی قانون نہیں بلکہ ایک استثناء، ایک رعایت ہے۔ بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ مسلمانوں کے لیے کثرتِ ازدواج ایک لازمی چیز ہے۔

وسیع تر تناظر میں اوامر (Do's) اور نواہی (Dont's) کے پانچ زمرے ہیں:

الف: فرض ...... یعنی لازم

ب: مستحب ...... یعنی ایسا کام جسے کرنے کی ترغیب دی گئی ہو، اسے کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی ہو، لیکن وہ کام فرض نہ ہو۔

ج: مباح ...... جائز، یعنی جسے کرنے کی اجازت ہو۔

د: مکروہ ...... یعنی ایسا کام جسے کرنا اچھا تصور نہ کیا جاتا ہو اور جس کے کرنے کی حوصلہ

شکنی کی گئی ہو۔

۵: حرام......یعنی ایسا کام جس کی اجازت نہ ہو، جس کا کرنا بالکل منع ہو۔

کثرتِ ازدواج مذکورہ بالا پانچوں زمروں کے درمیانی زمرے یعنی ''مباح'' کے تحت آتا ہے۔ یعنی ایک ایسا کام جس کی اجازت ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مسلمان جس کی دو، تین یا چار بیویاں ہوں، ایک بیوی رکھنے والے کسی دوسرے مسلمان کے مقابلے میں بہتر ہے۔

خواتین کی اوسط عمر، مردوں سے زیادہ ہوتی ہے

قدرتی طور پر عورتیں اور مرد تقریباً یکساں تناسب سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک لڑکی میں (پیدائش کے وقت سے ہی) لڑکوں کی بہ نسبت زیادہ امنیت (Immunity) ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ ایک لڑکی، لڑکے کے مقابلے میں جراثیم اور بیماریوں سے زیادہ بہتر انداز میں اپنا دفاع کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چھوٹی عمر کے بچوں میں لڑکوں کی اموات کا تناسب، لڑکیوں سے زیادہ ہوتا ہے۔

اسی طرح جنگوں وغیرہ میں بھی عورتوں سے زیادہ مردوں کی ہلاکتیں ہوتی ہیں۔ بیماریوں اور حادثوں کی وجہ سے بھی مردوں کی اموات، عورتوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہیں۔ مختصر یہ کہ خواتین کی اوسط عمر، مردوں کی اوسط عمر سے زیادہ ہوتی ہے اور کسی بھی موقع پر ہمیں دنیا بھر میں خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ ہی ملتی ہے۔

لڑکیوں کے اسقاطِ حمل اور بچیوں کی ہلاکت کے باعث ہندوستان میں مردوں کی آبادی، خواتین سے زیادہ ہے

اپنے کچھ پڑوسی ممالک سمیت، ہندوستان کا شمار دنیا کے ان چند ملکوں میں ہوتا ہے جہاں خواتین کی آبادی، مردوں کی آبادی سے کم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں بیشتر لڑکیوں کو شیر خوارگی ہی کے موقع پر ہلاک کر دیا جاتا ہے، جبکہ دوسری طرف اس ملک میں ہر سال دس لاکھ سے زاید بچیوں کو اسقاطِ حمل کے ذریعے، آنکھ کھولنے سے بھی پہلے، ہلاک کر دیا جاتا ہے......یعنی جیسے ہی یہ انکشاف ہوتا ہے کہ فلاں حمل کے نتیجے میں لڑکی پیدا ہو گی تو

اسقاطِ حمل کے ذریعے وہ حمل ضائع کروا دیا جاتا ہے۔ اگر ہندوستان میں یہ ظالمانہ عمل روک دیا جائے تو یہاں بھی عورتوں کی تعداد، مردوں سے زیادہ ہو جائے گی۔

عورتوں کی عالمگیر آبادی، مردوں سے زیادہ ہے

امریکہ میں عورتوں کی تعداد، مردوں کے مقابلے میں ۷۸ لاکھ زیادہ ہے۔ صرف نیویارک ہی میں عورتوں کی آبادی مردوں سے لگ بھگ دس لاکھ زیادہ ہے، جبکہ نیویارک کی مرد آبادی کا بھی ایک تہائی حصہ ہم جنس پرستوں پر مشتمل ہے۔ پورے امریکہ میں، مجموعی طور پر ڈھائی کروڑ سے زیادہ ہم جنس پرست مرد (Gays) موجود ہیں۔ یعنی یہ مرد، عورتوں سے شادی کرنا نہیں چاہتے۔ برطانیہ میں خواتین کی آبادی، مردوں کے مقابلے میں بقدر چالیس لاکھ زیادہ ہے۔ اسی طرح جرمنی میں خواتین کی تعداد مردوں سے پچاس لاکھ زیادہ ہے۔ روس کی طرف دیکھیں تو وہاں خواتین کی آبادی مردوں کی بہ نسبت ۹۰ لاکھ زیادہ ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ساری دنیا میں عورتوں کی مجموعی آبادی، مردوں کے مقابلے میں حقیقتاً کتنی زیادہ ہے۔

ہر ایک مرد کو صرف ایک بیوی تک محدود رکھنا عملاً ممکن نہیں

اگر ہر مرد کو صرف اور صرف ایک بیوی رکھنے کی اجازت ہو تو صرف امریکہ ہی میں تقریباً تین کروڑ خواتین کنواری رہ جائیں گی (کیونکہ وہاں کی مرد آبادی کے ڈھائی کروڑ افراد ہم جنس پرست ہیں) برطانیہ میں چالیس لاکھ، جرمنی میں پچاس لاکھ اور روس میں ۹۰ لاکھ عورتیں شوہر سے محروم رہیں گی۔

فرض کیجئے کہ آپ کی یا میری بہن غیر شادی شدہ ہے اور امریکہ کی شہری ہے۔ اب اس کے سامنے صرف دو ہی راستے ہوں گے: یا تو وہ کسی شادی شدہ مرد سے شادی کرے، یا پھر غیر شادی شدہ رہ کر ''عوامی ملکیت'' (پبلک پراپرٹی) بن جائے۔ دوسرا کوئی راستہ نہیں۔ سمجھ دار اور عقل مند لوگ، اس صورتحال میں پہلے راستے ہی کو ترجیح دیں گے۔

بیشتر عورتیں یہ نہیں چاہیں گی کہ ان کے شوہر کی کوئی دوسری شریکِ حیات بھی ہو۔ لیکن،

جب اسلام کا معاملہ سامنے آئے اور مرد کے لیے دوسری شادی کرنا (اسلام کو بچانے کی غرض سے) لازمی ہو جائے تو صاحبِ ایمان، شادی شدہ عورت یہ ذاتی نقصان برداشت کر کے اپنے شوہر کو دوسری شادی کی اجازت دے سکتی ہے تاکہ اپنی مسلمان بہنوں کو ''عوامی ملکیت'' بننے سے، ایک عظیم تر نقصان سے بچایا جا سکے۔

''عوامی ملکیت'' بننے سے بہتر ہے کہ شادی شدہ مرد سے شادی کر لی جائے

مغربی معاشرے میں یہ بات عام ہے کہ مرد ایک شادی کرنے کے باوجود (اپنی بیوی کے علاوہ) دوسری عورتوں مثلاً ملازماؤں (سیکریٹریوں اور رفقائے کار) اور کئی اور طرح کی عورتوں کے ساتھ زن وشوہر والے تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جو عورت کی زندگی کو شرمناک اور غیر محفوظ بنا دیتی ہے۔ کیا یہ افسوس کا مقام نہیں ہے کہ وہی معاشرہ مرد کو صرف اور صرف ایک شادی کا پابند بناتا ہے اور دوسری بیوی کو سرے سے قبول ہی نہیں کرتا.......... حالانکہ بیوی ہونے کی صورت میں عورتوں کو معاشرے میں باعزت مقام ملتا ہے، ان کا احترام کیا جاتا ہے اور وہ ایک محفوظ زندگی گزار سکتی ہیں۔

لہٰذا وہ عورتیں، جنہیں کسی وجہ سے شوہر نہیں مل پاتا، وہ صرف دو راستے اختیار کرنے پر ہی مجبور ہوتی ہیں: شادی شدہ مرد سے شادی کر لیں یا پھر ''عوامی ملکیت'' بن جائیں۔ اسلام ترجیحی بنیادوں پر عورت کو ایک محترم مقام دینے کے لیے پہلے راستے کی اجازت دیتا ہے، جبکہ دوسرے راستے پر پابندی عاید کرتا ہے۔

اسلام میں محدود پیمانے پر کثرتِ ازدواج کی اجازت کیوں ہے؟ اس کے جواب میں دوسرے کئی دلائل بھی موجود ہیں، تاہم اس کا بنیادی مقصد عورت کے تقدس اور احترام کی حفاظت کرنا ہے۔

۲۔ایک وقت میں ایک سے زیادہ شوہر (پولی اینڈری)

سوال: اگر مرد کو کثرتِ ازدواج کی اجازت ہے تو پھر اسلام میں عورت کو ایک وقت میں ایک سے زیادہ شوہر رکھنے کی اجازت کیوں نہیں ہے؟

جواب: بہت سے افراد جن میں کچھ مسلمان بھی شامل ہیں، یہ پوچھتے ہیں کہ آخر اسلام میں مرد کے لیے کثرتِ ازدواج کی اجازت ہونے، اور عورت کے لیے یہ فعل ممنوع ہونے کی کیا عقلی دلیل ہے.......... کیونکہ ان کے خیال میں یہ عورت کا ایک ''حق'' ہے جس سے عورت کو محروم کیا گیا ہے۔

پہلے تو میں نہایت ادب و احترام سے یہ کہوں گا کہ اسلام کی بنیاد عدل اور مساوات پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو مساوی تخلیق کیا ہے، مگر مختلف صلاحیتوں کے ساتھ اور مختلف ذمہ داریاں نبھانے کے لیے۔ عورت اور مرد نہ صرف جسمانی، بلکہ نفسیاتی اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اسی طرح ان کے کردار اور ان کی ذمہ داریاں بھی مختلف ہیں۔ یاد رکھیے! اسلام میں عورت اور مرد (ایک دوسرے کے) برابر ہیں، مگر باہم مماثل (Identical) نہیں ہیں۔

قرآنِ پاک کی چوتھی سورۂ مبارکہ، سورۃ النساء کی ۲۲ ویں تا ۲۴ ویں آیات میں ان عورتوں کی فہرست دی گئی ہے، جن سے مسلمان مرد شادی نہیں کر سکتے۔ سورۃ النساء کی ۲۴ ویں آیت میں مزید یہ بھی بتادیا گیا ہے'' ان عورتوں سے بھی (شادی کرنے کی ممانعت ہے) جو شادی شدہ ہوں۔''

درج ذیل نکات میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلام میں عورت کے لیے بیک وقت ایک سے زیادہ شوہر رکھنے کی ممانعت کیوں ہے:

۱ اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو اِن شادیوں کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچوں کے والدین کی شناخت باآسانی ممکن ہے۔ یعنی ایسے کسی بچے کے باپ اور ماں، دونوں کے بارے میں آسانی سے بتایا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس، اگر کوئی عورت ایک سے زیادہ مردوں کے ساتھ شادی کرلے تو ایسی شادیوں سے پیدا ہونے والی اولاد کی ماں کے بارے میں تو پتا چل جائے گا، مگر باپ کا تعین نہیں ہو سکے گا۔ اسلام میں والدین، یعنی ماں اور باپ کی شناخت کو زبردست اہمیت دی گئی ہے۔ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ وہ بچے جنہیں اپنے والدین کا علم نہ ہو، خصوصاً جن کا باپ نامعلوم ہو، وہ متعدد ذہنی صدمات اور نفسیاتی مسائل کا شکار رہتے ہیں۔ عام طور پر ان کا بچپن ناخوش گزرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جسم فروشی کرنے والی عورتوں کے بچوں کا بچپن نہایت کرب و الم میں گزرتا ہے۔ ایسی کسی شادی سے پیدا ہونے والے بچے کو جب اسکول میں داخل کرایا جاتا ہے، اور داخلے کے وقت اس کی ماں سے (بچے کے) باپ کا نام پوچھا جائے تو اسے دو یا دو سے زاید نام بتانے پڑیں گے۔

مجھے جدید سائنسی ترقی کا علم ہے جس کی بدولت یہ ممکن ہو گیا ہے کہ جینیاتی ٹیسٹنگ کر کے بچے کی ماں اور باپ، دونوں کی شناخت کر لی جائے۔ لہٰذا یہ نکتہ جو ماضی میں قابلِ اطلاق تھا، شاید آج کے دور میں اطلاق کے قابل نہ رہا ہو۔

۲ عورت کے مقابلے میں مرد کی فطرت میں کثرتِ ازدواج کا رجحان زیادہ ہے۔

۳ حیاتیاتی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو ایک مرد کے لیے کئی بیویاں ہوتے ہوئے بھی، ایک شوہر کی حیثیت سے ذمہ داریاں نبھانا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ اگر ایسی کسی کیفیت کا سامنا عورت کو کرنا پڑے یعنی اس کے ایک سے زیادہ شوہر ہوں، تو اس کے لیے بیوی کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی نبھانا ہرگز ممکن نہیں ہوگا۔ اپنے ماہواری کے چکر کے مختلف مراحل کے دوران ایک عورت کے طرزِ عمل اور نفسیات میں متعدد تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔

☆ کسی عورت کے ایک سے زیادہ شوہر ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے جنسی شریک (سیکسوئل پارٹنرز) بھی کئی ہوں گے۔ لہٰذا اس کے کسی جنسی بیماری میں مبتلا ہونے کا، اور اس بیماری کو اپنے دیگر شوہروں تک منتقل کرنے کا امکان بھی بہت قوی ہوگا، چاہے وہ تمام کے تمام مرد صرف اسی ایک عورت تک ہی کیوں نہ محدود ہوں۔ اس کے برعکس، اگر کسی مرد کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں، اور وہ اپنی بیویوں ہی تک محدود رہے تو ایسا خدشہ تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔

مذکورہ بالا دلائل صرف وہ ہیں جن کا مشاہدہ بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔ یقیناً جب اللہ تعالیٰ نے، جو حکمت کا سرچشمہ ہے، عورت کے لیے کثرتِ ازدواج کی ممانعت کی ہے تو اس میں بھی لاتعداد حکمتیں پوشیدہ ہوں گی۔

۳۔عورتوں کے لیے حجاب (پردہ)

سوال: اسلام عورتوں کو پردے میں رکھ کران کی تذلیل کیوں کرتا ہے؟

جواب: لادین میڈیا بطورِ خاص اسلام میں عورتوں کے مقام کو تاک تاک کر اپنی تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔''حجاب'' یا (عورتوں کے) اسلامی لباس کو بیشتر لوگ اسلامی قانون کے تحت عورت کی حق تلفی یا تذلیل قرار دیتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم اسلام میں عورت کے لیے ''حجاب'' کے پسِ پشت دلائل کا تجزیہ کریں، بہتر ہوگا کہ آمدِ اسلام سے قبل دیگر معاشروں میں عورت کے مقام پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

ماضی میں عورتوں کو تکمیل ہوس کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا اوران کی توہین کی جاتی تھی

درج ذیل تاریخی مثالوں سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ آمدِ اسلام سے پہلے کی تہذیبوں اور معاشروں میں عورت کا مقام اس قدر پست تھا کہ انہیں ایک عام انسان کی حیثیت سے بھی حقوق حاصل نہیں تھے۔

الف...... بابل کی تہذیب میں:

بابل کے قانون میں عورتوں کی نہایت توہین و تذلیل کی گئی تھی اور انہیں تمام حقوق سے محروم رکھا گیا تھا۔مثال کے طور پر اگر وہاں کوئی مرد کسی عورت کو قتل کر دیتا تو اسے سزا دینے کی بجائے اس کی بیوی کو سزائے موت دی جاتی تھی۔

ب...... یونانی تہذیب میں:

قدیم زمانے کی تہذیبوں میں یونانی تہذیب کو سب سے عظیم اور بلند پایہ تصور کیا جاتا ہے۔اسی ''عظیم المرتبت'' نظام کے تحت عورتوں کو ہر طرح کے حقوق سے محروم رکھا گیا تھا اور انہیں نہایت حقارت کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔یونانی دیو مالا میں ''پنڈورا'' کے نام سے ایک

"خیالی عورت" کا تذکرہ ملتا ہے، جو اس دنیا میں نوعِ انسانی کے تمام تر مسائل اور پریشانیوں کی سب سے بڑی وجہ تھی۔ یونانیوں کے نزدیک عورت "انسانوں سے کم تر" تھی، جبکہ مردوں کے مقابلے میں بھی اس کا مقام کم تر تھا۔ اگرچہ عورت کی عصمت، یونانی تہذیب میں قیمتی تصور کی جاتی تھی، اور عورتوں کو احترام کے ساتھ رکھا بھی جاتا تھا، لیکن بعد ازاں یونانیوں نے اپنی انا اور جنسی ہوس کے ہاتھوں مغلوب ہو کر عورت کو تذلیل و توہین کا خوب نشانہ بنایا۔ یونانی معاشرے کے سارے طبقات میں عصمت فروشی ایک عام سی چیز بن کر رہ گئی۔

ج...... رومی تہذیب میں:

جب روم کی تہذیب اپنی رفعت و عظمت کے "عروج" پر تھی تو وہاں پر مردوں کو یہ تک آزادی تھی کہ وہ اپنی بیویوں کو قتل کر دیں۔ علاوہ ازیں عصمت فروشی اور برہنگی بھی رومیوں میں بہت عام تھی۔

د...... مصری تہذیب میں:

مصریوں کے نزدیک عورت کو برائی سمجھا جاتا تھا اور عورتوں کو شیطان کی نشانی قرار دیا جاتا تھا۔

ہ...... قبل از اسلام عرب میں:

عرب میں اسلام پھیلنے سے قبل، عربوں میں بھی عورتوں کو نہایت حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور عموماً جب کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی تو اس بچی کو زندہ دفنا دیا کرتے تھے۔

اسلام نے عورتوں کا مرتبہ بلند کیا، انہیں مساوات دی، اور ان سے اس مقام کی پاسداری کا تقاضا کرتا ہے

اسلام نے معاشرے میں عورتوں کا مقام بلند کیا اور آج سے چودہ سو سال پہلے انہیں ان کے جائز حقوق دیے۔ اسلام، عورتوں سے یہ توقع بھی کرتا ہے کہ وہ اپنے اس مقام کی پاسداری کریں گی۔

مَردوں کے لیے حجاب:

لوگ عام طور پر صرف عورتوں کے حوالے سے حجاب کی بات کرتے ہیں۔ تاہم ،قرآنِ پاک میں عورتوں کے حجاب سے پہلے مردوں کے لیے حجاب کا تذکرہ آیا ہے۔ سورۃ النور میں آتا ہے:

﴿ قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾ [سورۃ:۲۴۔آیت:۳۰]

''اے نبیؐ! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔''

جب کوئی مرد کسی عورت کو دیکھے ،تو بہت ممکن ہے کہ اس کے ذہن میں بے شرمی یا بے حیائی کی کوئی بات آجائے ،لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ فوراً اپنی نگاہیں نیچی کرلے۔

عورتوں کے لیے حجاب:

سورۃ النور کی اگلی آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلاَ يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ اَوْ آبَائِهِنَّ اَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَائِهِنَّ اَوْ اَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ ط...... ﴾ [سورۃ:۲۴،آیت:۳۱]

''اور اے نبیؐ! مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہوجائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔ وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں ،مگر ان لوگوں کے سامنے،شوہر، باپ ،شوہروں کے باپ، بیٹے۔......''

حجاب کی چھ کسوٹیاں

قرآن وسنت کی رُو سے حجاب کے لیے چھ بنیادی کسوٹیاں یا شرائط عاید کی گئی ہیں:

۱۔ حدود (Extent)

پہلی کسوٹی تو یہ ہے کہ جسم کا کس قدر حصہ (لازماً) ڈھکا ہونا چاہیے۔ مردوں اور عورتوں کے لیے یہ کیفیت مختلف ہے۔ مردوں کو حکم ہے کہ وہ اپنی ناف سے لے گھٹنوں تک سارا بدن لازماً ڈھانپ کر رکھیں۔ جبکہ عورتوں کے لیے چہرے کے سوا باقی تمام جسم کو اور ہاتھوں کو کلائیوں تک ڈھانپنے کا حکم ہے۔ اگر وہ چاہیں تو چہرے اور ہاتھوں کو بھی ڈھانپ سکتی ہیں۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ ہاتھ اور چہرہ بھی ان اعضائے جسمانی میں شامل ہیں جن کا ڈھانپنا عورتوں کے لیے لازم ہے، یعنی خواتین کے حجاب کا حصہ ہے، اور یہی قول افضل ہے۔

باقی کی پانچوں شرائط عورتوں اور مردوں کے لیے ایک جیسی ہیں۔

۲۔ پہنا گیا لباس ڈھیلا ڈھالا ہو، یعنی ایسا نہ ہو کہ جس سے جسمانی خدوخال نمایاں ہوتے ہوں (مطلب یہ کہ تنگ، کسا ہوا، یا ''فٹنگ'' والا لباس نہ ہو)

۳۔ پہنا گیا لباس شفاف نہ ہو، یعنی ایسا نہ ہو کہ جس کے آر پار دیکھا جا سکے۔

۴۔ پہنا گیا لباس شوخ و چنچل اور بھڑک دار نہ ہو، یعنی لباس ایسا نہ ہو جو جنسِ مخالف کو راغب کرتا ہو۔

۵۔ پہنا گیا لباس ایسا نہ ہو کہ صنفِ مخالف کے لباس سے مماثلت رکھتا ہو، یعنی اگر کسی مرد نے لباس پہنا ہے تو وہ مردانہ ہی دکھائی دے، جبکہ اگر کسی عورت کا لباس ہے تو وہ عورتوں کے لباس جیسا ہو اور اس پر مردانہ لباس کی چھاپ نہ ہو۔

۶۔ پہنا گیا لباس ایسا ہو کہ جس میں کفار کی مشابہت نہ ہو، یعنی ایسا لباس نہ پہنا جائے جس سے (کفار کے کسی گروہ کی) کوئی شناخت بطورِ خاص وابستہ ہو، یا اس پر کچھ ایسی علامات بنی ہوں جو کفار کے مذاہب کی ترجمان ہوں۔

حجاب میں دوسری چیزوں کے علاوہ عمل اور طرزِ عمل بھی شامل ہیں

لباس کی مذکورہ بالا چھ شرائط کے علاوہ، مکمل ''حجاب'' میں عملی اخلاقیات، طرزِ عمل، رویہ اور (حجاب کرنے والے) فرد کی نیت بھی شامل ہے۔ اگر کوئی فرد صرف لباس کی حد تک حجاب کی شرائط پوری کرتا ہے تو وہ حجاب کے حکم پر محدود انداز ہی میں عمل کر رہا ہوگا۔ لباس کے حجاب کے ساتھ آنکھوں کا حجاب، دل کا حجاب، سوچ کا حجاب، نیت اور عمل کا حجاب بھی یکساں طور پر ضروری ہے۔ اس (حجاب) میں کسی شخص کا چلنا، بولنا اور طرزِ عمل وغیرہ تک سب باتیں شامل ہیں۔

حجاب دست درازی سے بچاتا ہے

عورتوں کے لیے حجاب کیوں ضروری قرار دیا گیا ہے؟ اس کی ایک وجہ سورۂ احزاب کی درج ذیل آیت میں بیان کی گئی ہے:

﴿ يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [سورۃ:۳۳، آیت:۵۹]

''اے نبیؐ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے، تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔''

قرآنِ پاک کی اس آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ عورتوں کے لیے حجاب اس وجہ سے ضروری قرار دیا گیا ہے تاکہ وہ باوقار حیثیت سے شناخت کی جاسکیں، اور دست درازی سے بھی محفوظ رہ سکیں۔

جڑواں بہنوں کی مثال

فرض کیجیے جڑواں بہنیں ہیں، جو یکساں طور پر خوبصورت بھی ہیں۔ کسی دن وہ ایک ساتھ گھر سے نکلتی ہیں۔ ان میں سے ایک نے مکمل طور پر اسلامی حجاب کیا ہوا ہے، تمام جسم ڈھکا ہوا

ہو۔ دوسری جڑواں بہن نے مغربی لباس پہن رکھا ہے، یعنی منی اسکرٹ یا شارٹس پر مبنی لباس جو مغرب میں عام ہے۔ اب فرض کیجیے کہ گلی کے کونے پر کوئی اوباش، لفنگا یا بدمعاش بیٹھا ہے جو آتے جاتے لوگوں کو چھیڑتا ہے، خصوصاً لڑکیوں کو۔ یہ بتائیے کہ وہ پہلے کسے تنگ کرے گا؟ اسلامی حجاب والی لڑکی کو، یا مغربی لباس میں ملبوس لڑکی کو؟ ظاہری سی بات ہے کہ اس کا پہلا ہدف وہی لڑکی ہوگی جو مغربی لباس میں گھر سے نکلی ہے۔ اس نوعیت کے لباس، جنسِ مخالف کے لیے ایک طرح کی بالواسطہ ''دعوت'' ہوتے ہیں کہ وہ چھیڑیں یا دست درازی کریں۔ پس! یہ ثابت ہوا کہ قرآنِ پاک نے یہ بالکل صحیح فرمایا ہے کہ حجاب، عورتوں کو دست درازی سے بچاتا ہے۔

زناکاروں کے لیے سزائے موت

اسلامی شریعت کے مطابق، اگر کسی آدمی پر کسی (شادی شدہ) عورت سے زنا کرنے کا جرم ثابت ہو جائے تو اسے سزائے موت دی جائے گی۔ بہت سوں کو اس ''ظالمانہ'' سزا پر حیرت ہے۔ بعض لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اسلام ایک بے رحمانہ اور سفاکانہ مذہب ہے! (نعوذ باللہ) میں نے سیکڑوں غیر مسلم مردوں سے ایک سادہ سوال کیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ فرض کیجیے! خدانخواستہ، آپ کی اپنی بہن، بیٹی، بیوی یا ماں کے ساتھ کوئی مرد زنا کرے اور اس مرد کو سزا دینے کے لیے آپ کے سامنے لایا جائے تو آپ کیا کریں گے؟ ان سب کا جواب تھا کہ وہ ایسے آدمی کو مار ڈالیں گے۔ بعض لوگوں نے تو اس حد تک کہا کہ وہ ایسے آدمی کو اذیتیں دیتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جائے۔ تب میں نے ان سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص آپ کی بہن، بیٹی، ماں یا بیوی کی عزت لوٹ لے تو آپ اسے قتل کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن اگر یہی سانحہ کسی دوسرے کی بہن، بیٹی، بیوی یا ماں کے ساتھ ہوا ہو تو اس کے لیے سزائے موت تجویز کرنا سفاک اور بے رحمانہ عمل کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ دہرا معیار کیوں ہے؟

عورت کا مقام بلند کرنے کا مغربی دعویٰ جھوٹ ہے

آزادیٔ نسواں کے بارے میں مغرب کا دعویٰ ایک ایسا بہروپ ہے جو عورت کے جسمانی استعمال، روح کی پامالی اور عورت کو تقدس و احترام سے محروم کرنے کے لیے بھرا گیا ہے۔ مغربی معاشرے کا دعویٰ ہے کہ اس نے عورت کا مقام ''بلند'' کیا ہے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ مغرب میں عورت کی تذلیل کی گئی ہے۔ وہاں عورت کو ''آزادی'' کے نام پر داشتہ بنا دیا گیا ہے، اسے مسٹریس (ہر طرح کی ''خدمت'' کرنے والی خادمہ) اور ''سوسائٹی بٹر فلائی'' بنا کر ہوس پرستوں اور جنسی تجارت کرنے والوں کے ہاتھ میں کھلونا بنا دیا گیا...... یہی وہ سب لوگ ہیں جو ''آرٹ'' اور ''کلچر'' جیسے رنگین پردوں میں چھپ کر اپنا کاروبار چمکا رہے ہیں۔

امریکہ میں عصمت دری کی شرح سب سے زیادہ ہے

ریاستہائے متحدہ امریکہ (یو ایس اے) کو دنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک سمجھا جاتا ہے۔ تاہم یہی وہ ملک بھی ہے کہ جہاں عصمت دری کے واقعات بھی دنیا میں سب سے زیادہ ہوتے ہیں۔ ایف بی آئی کی رپورٹ کے مطابق، سال ۱۹۹۰ء کے دوران صرف امریکہ میں ہر روز عصمت دری کی اوسطاً ۱۷۵۶ وارداتیں رپورٹ ہوئیں۔ بعد کی ایک اور رپورٹ میں، جس پر سال نہیں لکھا، امریکہ میں ہر روز عصمت دری کی اوسطاً ۱۹۰۰ وارداتیں بتائی گئی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سال ۱۹۹۲ء یا ۱۹۹۳ء کے بارے میں ہو۔ ہوسکتا ہے کہ بعد کے برسوں میں امریکی اور زیادہ ''بہادر'' ہوگئے ہوں۔

عرضِ مترجم: ......امریکی معاشرے میں عصمت فروشی کو قانونی حیثیت حاصل ہے اور وہاں کی فاحشائیں حکومت کو باقاعدہ ٹیکس بھی ادا کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں وہاں کے قانون میں عصمت دری ایک ایسے فعل کو کہا جاتا ہے جب جنسی عمل میں کسی ایک فریق کی مرضی شامل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں غیر شادی شدہ جوڑوں کی تعداد بھی لاکھوں میں ہے، جبکہ ''زنا بالرضا'' کو عصمت دری میں شامل نہیں کیا جاتا۔ یعنی اگر ان بدفعلیوں کو بھی عصمت دری کے زمرے میں لایا جائے تو صرف امریکہ ہی میں ہر روز لاکھوں مرد و زن ''زنا'' جیسے حرام ترین فعل میں مشغول ہیں)

اب ذرا تصور کیجئے کہ! امریکہ میں اسلامی حجاب کی پابندی کی جاتی ہے۔اس حجاب کی رُو سے اگر ایک مرد کی نظر کسی غیر عورت پر پڑے تو وہ فوراً اپنی نظر جھکا لے۔ ہر عورت پوری طرح سے اسلامی حجاب کر کے گھر سے نکلے، یعنی وہ اپنا پورا جسم ڈھانپ کر نکلے۔ پھر یہ بھی ہو کہ اگر کوئی مرد زنا کا مرتکب پایا جائے تو اسے سزائے موت دی جائے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ایسے حالات میں امریکہ میں عصمت دری کی شرح بڑھے گی، یکساں رہے گی یا کم ہوگی؟

اسلامی شریعت کا نفاذ، عصمت دری میں کمی لائے گا

یہ بالکل فطری سی بات ہے کہ جب اسلامی شریعت کا نفاذ ہوگا تو اس کے مثبت نتائج بھی جلد ہی ملنے لگیں گے۔ اگر اسلامی شریعت دنیا کے کسی بھی حصے میں نافذ ہوگئی، خواہ وہ امریکہ ہو یا یورپ، تو معاشرے کو سکھ کا سانس ملے گا۔ حجاب عورت کے مقام میں کمی نہیں کرتا، بلکہ وہ تو عورت کا مرتبہ بلند کرتا ہے اور اس کی عزت وعصمت کی حفاظت کرتا ہے۔

۴۔ کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے؟

سوال: یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلام کو امن کا مذہب قرار دیا جائے، کیونکہ یہ تو تلوار (جنگ وجدل) کے زور سے پھیلا ہے؟

جواب: بیشتر غیر مسلموں کی ایک عام شکایت یہ ہے کہ اگر اسلام طاقت کے استعمال سے پھیلا نہ ہوتا، تو اس وقت دنیا میں اس کے ماننے والوں کی تعداد اتنی زیادہ (اربوں میں) ہرگز نہ ہوتی۔ درج ذیل نکات یہ واضح کریں گے کہ اسلام کے تیز رفتار عالمگیر پھیلاؤ میں تلوار کی طاقت کے بجائے سچائی، عقل اور دلیل کی بے مثل طاقت کارفرما رہی ہے۔

اسلام کا مطلب "امن" ہے

لفظ "اسلام" کا ماخذ "سلام" ہے۔ جس کا مطلب امن ہے۔ اس کا ایک اور مفہوم یہ بھی ہے کہ اپنی مرضی اور ارادے کو اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابع کر دیا جائے۔ یعنی اسلام امن کا مذہب ہے، اور یہ امن وسکون اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب انسان اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع بنادے۔

کبھی کبھار امن برقرار رکھنے کے لیے طاقت استعمال کرنا پڑتی ہے

اس دنیا کا ہر فرد امن اور ہم آہنگی قائم رکھنے کے حق میں نہیں۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اپنے ظاہری یا پوشیدہ مفادات کے لیے امن وامان میں خلل ڈالتے رہتے ہیں۔ لہٰذا، بعض مواقع پر امن قائم رکھنے کے لیے طاقت کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ملک میں پولیس کا محکمہ ہوتا ہے جو مجرموں اور معاشرے کے شرپسند عناصر کے خلاف طاقت استعمال کرتا ہے، تاکہ ملک میں امن وامان برقرار رکھا جاسکے۔ اسلام امن کی ترغیب دیتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اسلام ہمیں یہ ترغیب بھی دیتا ہے کہ ناانصافی کے خلاف لڑیں۔ لہٰذا، بعض مواقع پر

ناانصافی اور شر پسندی کے خلاف لڑائی میں طاقت کا استعمال بھی کرنا پڑتا ہے۔ یاد رہے کہ اسلام میں طاقت کا استعمال صرف اور صرف امن اور انصاف کو فروغ دینے کے لیے ہی کیا جا سکتا ہے۔

مؤرخ ڈی لیسی اولیری کی رائے

اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، اس عام غلط فہمی کا بہترین جواب ایک نامور مؤرخ، ڈی لیسی اولیری نے اپنی مشہور کتاب ''اسلام ایٹ دی کراس روڈ'' میں صفحہ ۸ پر کچھ اس طرح سے دیا ہے:

''تاہم، تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگجو مسلمانوں کے دنیا بھر میں پھیلنے اور مفتوح اقوام کو تلوار کے زور پر دائرۂ اسلام میں داخل کرنے کی من گھڑت داستان ان زبردست خیالی اور دیو مالائی کہانیوں میں سے ایک ہے جنہیں مؤرخین ہمیشہ سے دہراتے آرہے ہیں۔''

مسلمانوں نے اسپین پر ۸۰۰ سال حکومت کی

مسلمانوں نے اسپین پر تقریباً ۸۰۰ سال حکومت کی۔ اسپین میں مسلمانوں نے لوگوں کو اپنا مذہب تبدیل کرنے (مسلمان بنانے) کے لیے کبھی تلوار کا استعمال نہیں کیا۔ بعدازاں صلیبی عیسائیوں نے اسپین پر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ حد تو یہ ہے کہ پورے اسپین میں کسی ایک مسلمان کو بھی یہ اجازت نہ تھی کہ وہ آزادی سے اذان ہی دے سکتا۔

ایک کروڑ چالیس لاکھ عرب، آج بھی کپتی عیسائی ہیں

مسلمان پچھلے چودہ سو سال سے عرب کے حکمران رہے ہیں۔ درمیان کے صرف چند سال ایسے ہیں جب وہاں برطانوی اور فرانسیسی حکمرانی رہی۔ تاہم مجموعی طور پر مسلمان سرزمینِ عرب پر چودہ سو سال سے حکمران ہیں۔ اس کے باوجود، آج بھی وہاں ایک کروڑ چالیس لاکھ عرب ایسے ہیں جو کپتی عیسائی (کوپٹک کرسچنز) ہیں، یعنی وہ عیسائی جو وہاں نسل در نسل آباد چلے آرہے ہیں۔ اگر مسلمانوں نے تلوار استعمال کی ہوتی تو اس خطے میں کوئی ایک عرب بھی

ایسا نہ ہوتا جو عیسائی رہ پاتا۔

ہندوستان میں ۸۰ فیصد سے زیادہ غیر مسلم ہیں

ہندوستان پر بھی مسلمانوں نے لگ بھگ ایک ہزار سال تک حکومت کی۔ اگر وہ چاہتے تو ان کے پاس اتنی طاقت تھی کہ وہ ہندوستان میں بسنے والے ایک ایک غیر مسلم کو(تلوار کے زور پر) اسلام قبول کرنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ آج ہندوستان کی آبادی کا ۸۰ فیصد سے زاید حصہ غیر مسلموں پر مشتمل ہے۔ ہندوستان میں غیر مسلموں کی اتنی بڑی اکثریت خود اپنی زبان سے یہ گواہی دے رہی ہے کہ برصغیر میں بھی اسلام طاقت کے زور سے ہرگز نہیں پھیلا۔

انڈونیشیا اور ملائشیا

آبادی کے لحاظ سے انڈونیشا، دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ ملائشیا میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ کیا یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ ''کون سی فوج تھی جو(مسلح ہو کر) انڈونیشیا اور ملائشیا پر حملہ آور ہوئی تھی؟'' (یعنی وہاں پر اسلام کے پھیلاؤ میں مسلمانوں کی کون سی جنگی طاقت کو دخل ہے؟)

افریقہ کا مشرقی ساحل

اسی طرح براعظم افریقہ کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ بھی اسلام بہت تیزی سے پھیلا ہے۔ ایک بار پھر، یہی سوال سامنے آتا ہے کہ اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو کون سے مسلمان ملک کی فوج ان علاقوں کو فتح کرنے اور لوگوں کو مسلمان کرنے وہاں گئی تھی؟

تھامس کارلائل

مشہور مؤرخ، تھامس کارلائل اپنی تصنیف ''ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ'' میں اسلام پھیلنے کے بارے میں اس غلط فہمی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''تلوار تو ہے، لیکن آپ اپنی تلوار لے کر کہاں جائیں گے؟ ہر نئی رائے ابتدا میں اقلیت ہی کے درمیان ہوتی ہے۔ (ابتدا میں) صرف کسی ایک فرد کے ذہن میں ہوتی ہے۔ یہ سوچ وہیں سے پروان چڑھتی ہے۔ اس ساری دنیا کا صرف ایک

آدمی جو اس (بات) پر یقین رکھتا ہے، صرف ایک آدمی جو باقی سارے آدمیوں کے مدِّ مقابل ہوتا ہے۔ پھر (اگر) وہ تلوار اُٹھالے اور (اپنی بات کو) پھیلانے کی کوشش کرنے لگے، تو اس سے معمولی سی کامیابی ہی حاصل کر پائے گا۔ آپ کے پاس آپ کی اپنی تلوار لازماً ہونی چاہیے! (تاہم) مجموعی طور پر کوئی چیز اتنی ہی پھیلے گی کہ جتنی وہ خود، اپنے طور پر، پھیل سکتی ہے۔"

دین میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے

اسلام کون سی تلوار سے پھیلا؟ اگر مسلمانوں کے پاس یہ (تلوار) ہوتی اور انہوں نے اسلام پھیلانے کے لیے اس کا استعمال کیا بھی ہوتا، تب بھی وہ اسلام پھیلانے میں ان کے کسی کام نہ آتی، کیونکہ قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ ط ﴾ [سورۃ:۲، آیت:۲۵۶]

"دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔"

علم، عقل اور دلیل کی تلوار

جس تلوار نے اسلام کو دنیا بھر میں پھیلایا، وہ علم کی، عقل کی اور دلیل کی تلوار ہے۔ یہی وہ تلوار ہے جو انسان کے ذہن اور قلب کو فتح کرتی ہے۔ سورۃ النحل کی ۱۲۵ ویں آیتِ مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○ ﴾ [سورۃ:۱۶، آیت:۱۲۵]

"اے نبیؐ! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو، حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔ تمہارا رب ہی زیادہ

بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔"

۱۹۳۴ء سے ۱۹۸۴ء کے درمیان دنیا کے سب سے زیادہ پھیلنے والے مذہب

ریڈرز ڈائجسٹ الماتک، برائے ۱۹۸۴ء میں شائع شدہ ایک مضمون میں دنیا کے بڑے مذاہب میں پھیلاؤ کے اعداد وشمار دیے گئے ہیں جو ۱۹۳۴ء سے ۱۹۸۴ء تک نصف صدی کا احاطہ کرتے ہیں۔ بعدازاں یہی مضمون "دی پلین ٹرتھ" نامی جریدے میں بھی شائع ہوا۔ اس مضمون میں سرِ فہرست اسلام تھا، جو پچاس سال کے عرصے میں ۲۳۵ فیصد بڑھا تھا، جبکہ اسی دوران عیسائیت کا پھیلاؤ صرف ۴۷ فیصد تک رہا تھا۔ کیا یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اس صدی میں ایسی کون سی جنگ ہوئی تھی جس نے کروڑوں لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا؟

اسلام، یورپ اور امریکہ میں سب سے تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے

اس وقت امریکہ میں سب سے زیادہ تیزی کے ساتھ پھیلنے والا مذہب اسلام ہے۔ اسی طرح یورپ میں بھی تیز رفتار ترین انداز سے پھیلنے والا مذہب اسلام ہی ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ کون سی تلوار ہے جو مغرب کے لوگوں کو اتنی تیزی سے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر رہی ہے؟

ڈاکٹر جوزف ایڈم پیٹرسن کی رائے

ڈاکٹر جوزف ایڈم پیٹرسن نے بالکل درست کہا ہے:

> "وہ لوگ جو اس بات سے خوفزدہ ہیں کہ نیوکلیائی ہتھیار ایک نہ ایک دن عربوں کے ہاتھوں میں چلے جائیں گے، وہ یہ محسوس کرنے سے قاصر ہیں کہ اسلامی بم تو پہلے ہی گرایا جا چکا ہے۔ یہ بم تو اسی دن گرا دیا گیا تھا، جس دن محمد (ﷺ) پیدا ہوئے تھے۔"

۵۔ مسلمان بنیاد پرست اور دہشت گرد ہیں

سوال: بیشتر مسلمان بنیاد پرست اور دہشت گرد کیوں ہیں؟

جواب: یہ وہ سوال ہے جو مسلمانوں سے اکثر و بیشتر، براہِ راست یا بالواسطہ، عالمی امور پر گفتگو یا مذاہب پر بحث کے دوران کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں ایسے تصورات ہر طرح کے ذرائع ابلاغ میں مسلسل پیش کیے جاتے ہیں، جبکہ ان کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں نہایت غلط معلومات بھی نتھی کر دی جاتی ہیں۔

درحقیقت یہی وہ غلط سلط معلومات اور جھوٹے پروپیگنڈے ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک یا ان کے خلاف پرتشدد کارروائیوں کے پس پشت کارفرما ہوتے ہیں۔ اس موقع پر میں امریکی میڈیا میں مسلمانوں کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے کی ایک مثال پیش کرنا چاہوں گا۔

اوکلاہوما بم دھماکے کے فوراً بعد امریکی میڈیا نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ اس حملے کے پیچھے ''مشرق وسطیٰ کی سازش'' ہے۔ کچھ عرصے بعد اس واقعے کا اصل مجرم پکڑا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ امریکہ کی مسلح افواج سے تعلق رکھنے والا ایک فوجی تھا۔

اب ہم بنیاد پرستی اور دہشت گردی جیسے الزامات کا تجزیہ کریں گے۔

لفظ ''بنیاد پرست'' کی وضاحت

بنیاد پرست ایسا کوئی بھی فرد ہوتا ہے جو کسی مخصوص نظریے یا رہنما اصولوں کے مجموعے (ڈاکٹرائین) سے وابستہ رہتے ہوئے، اس کی مطابقت میں عمل کرتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کے اچھا ڈاکٹر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ طب (میڈیسن) کی بنیادی باتوں سے واقف ہو، ان کا پابند ہو اور ان پر عمل بھی کرتا ہو۔ بہ الفاظ دیگر، اسے طب کے میدان کا ''بنیاد پرست'' ہونا چاہیے۔ ایک اچھا ریاضی دان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس شخص کو ریاضی کی مبادیات کا علم ہو، وہ ان

کا پابند ہو، اور ان کی مطابقت میں کام کرتا ہو۔ یعنی اسے ریاضی کے میدان کا بنیاد پرست ہونا چاہیے۔ اسی طرح ایک اچھا سائنس دان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کو سائنس کی بنیادی باتوں کا علم ہو۔ آپ ان کے پابند ہوں اور ان کی مطابقت میں عمل بھی کریں۔ یعنی اچھا سائنس دان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ سائنس کا "بنیاد پرست" بنا جائے۔

تمام بنیاد پرست یکساں نہیں ہوتے

تمام اقسام کے بنیاد پرستوں کی تصویر کشی ایک ہی قلم سے نہیں کی جاسکتی۔ یعنی تمام کے تمام بنیاد پرستوں کو (یکساں طور پر) اچھا یا برا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ درجہ بندی کے لیے ضروری ہے کہ اس شعبے یا سرگرمی کو دیکھا جائے کہ جس سے کسی بنیاد پرست کا تعلق ہے۔ مثلاً ایک بنیاد پرست چور یا ڈاکو کسی معاشرے کے لیے ضرر رساں ہے لہٰذا وہ ناپسندیدہ ہوگا۔ اس کے برعکس، ایک بنیاد پرست ڈاکٹر یا سرجن کی ذات سے معاشرے کو فائدہ پہنچتا ہے، لہٰذا اسے معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

مجھے فخر ہے کہ میں مسلم بنیاد پرست ہوں

میں ایک بنیاد پرست مسلمان ہوں، الحمدللہ اسلام کی مبادیات سے واقف ہوں، ان کی پاسداری کرتا ہوں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک سچے مسلمان کو اپنے بنیاد پرست ہونے پر شرمانا نہیں چاہیے۔ مجھے اپنے بنیاد پرست مسلمان ہونے پر فخر ہے، میں جانتا ہوں کہ اسلام کی مبادیات ہی انسانیت اور ساری دنیا کے لیے فائدہ مند ہیں۔ اسلام کی بنیادی باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جو مجموعی طور پر نوعِ انسانی کے مفاد کے خلاف ہو۔ بہت سے لوگ اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی کئی تعلیمات غیر منصفانہ اور غیر معقول ہیں۔ اس کی وجہ اسلام کے بارے میں ان کی ناکافی اور غلط معلومات ہیں۔ اگر اسلامی تعلیمات کا کھلے ذہن سے تنقیدی تجزیہ کیا جائے تو اس حقیقت سے فرار ممکن ہی نہیں رہتا کہ اسلام درحقیقت اجتماعی وانفرادی، دونوں اعتبار سے نوعِ انسانی کے لیے فائدوں سے بھرپور ہے۔

لفظ ''بنیاد پرست'' کا لغوی ترجمہ

ویبسٹرز ڈکشنری کے مطابق ''بنیاد پرستی'' (فنڈامنٹل ازم) ایک تحریک تھی جو امریکہ کے پروٹسٹنٹ عیسائیوں نے بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں شروع کی تھی۔ یہ تحریک (اصل میں) جدیدیت پرستی کا ردِعمل تھی، جس میں انجیل کی سچائی کو بنیاد بنایا گیا تھا۔ عیسائی بنیاد پرستی کی اس تحریک میں یہ زور دیا گیا تھا کہ انجیل کے احکامات صرف عقیدے اور اخلاقیات سے وابستہ معاملات ہی میں نہیں، بلکہ تاریخی ریکارڈ کے ضمن میں بھی بالکل صحیح تسلیم کیے جائیں۔ اس عقیدے پر شدومد سے اصرار کیا جاتا تھا کہ صرف اور صرف انجیل ہی کو خدا کا ''صحیح کلام'' تسلیم کیا جائے۔ تو ثابت ہوا کہ بنیاد پرست کا لفظ پہلے پہل عیسائیوں کے اس گروہ نے استعمال کیا، جس کا عقیدہ تھا کہ انجیل ہی خدا کا وہ واحد کلام ہے جو کسی بھی قسم کی غلطیوں (اور تحریف) سے پاک ہے۔

آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق ''بنیاد پرستی'' سے مراد ''کسی بھی مذہب، خصوصاً اسلام کی بنیادی یا قدیمی تعلیمات (عقائد) پرسختی سے کاربند رہنا ہے۔''

آج اگر کسی شخص کے سامنے ''بنیاد پرست'' کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ فوری طور پر ایسے کسی مسلمان کا تصور ذہن میں لاتا ہے جو دہشت گرد ہو۔

ہر مسلمان کو ''دہشت گرد'' ہونا چاہیے

ہر مسلمان کو دہشت گرد ہونا چاہیے۔ دہشت گرد کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جو خوف و دہشت کی وجہ بنتا ہے۔ جس لمحے کوئی ڈاکو کسی پولیس والے کو دیکھتا ہے تو وہ بھی دہشت زدہ ہو جاتا ہے۔ یعنی پولیس والا کسی ڈاکو کے لیے دہشت گرد ہے۔ اسی طرح ہر مسلمان کو بھی معاشرے کے برے عناصر کے لیے ایک دہشت گرد ہونا چاہیے۔ خواہ وہ چور ہوں، ڈاکو ہوں یا بدکار۔ جب بھی ایسا کوئی برا شخص کسی مسلمان کو دیکھے تو اسے دہشت زدہ ہو جانا چاہیے۔ یہ سچ ہے کہ لفظ ''دہشت گرد'' سے مراد وہ شخص لیا جاتا ہے جو عام لوگوں میں خوف، ہراس اور دہشت پھیلانے کا باعث ہو۔ لیکن ایک سچے مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف مخصوص لوگوں کے لیے ہی دہشت گرد ہو، یعنی ان لوگوں کے لیے جو معاشرے کے برے عناصر ہیں، جبکہ وہ

عام لوگوں کے لیے دہشت کی وجہ نہ بنے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ایک سچے مسلمان کو عام اور معصوم لوگوں کے لیے امن و آشتی کا ذریعہ ہونا چاہیے۔

''دہشت گرد'' اور ''وطن پرست'' ایک ہی کام کرنے والوں کے دو نام

برطانوی تسلط سے چھٹکارا حاصل کرنے سے پہلے، آزادئ ہند کی جدوجہد کرنے والے وہ لوگ جو عدم تشدد پر متفق نہیں تھے، انہیں برطانوی حکومت نے ''دہشت گرد'' قرار دے دیا۔ انہی لوگوں کو آج ہندوستان میں ''آزادی کے متوالوں'' اور ''وطن پرستوں'' کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے کہ لوگ وہی ہیں، کام بھی ایک ہی ہے، لیکن ان پر دو جداگانہ طبقات کی جانب سے دو مختلف ''لیبل'' لگا دیے گئے ہیں۔ ایک کے نزدیک وہ دہشت گرد تھے۔ اس کے برعکس، جن لوگوں کا یہ نقطۂ نظر تھا کہ برطانیہ کو ہندوستان پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں، وہ انہیں وطن پرست اور آزادی کے متوالوں جیسے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔

لہٰذا، یہ ضروری ہے کہ کسی شخص کا فیصلہ سنانے سے پہلے اس کا موقف بھی ایمان داری سے سن لیا جائے۔ فریقین کے دلائل سنے جائیں، صورتحال کا جائزہ لیا جائے، ملزم کے عزائم اور ان کے پس پشت نیت کو بھی سامنے رکھا جائے اور پھر اسی کے مطابق اس شخص کے لیے فیصلہ صادر کیا جائے۔

اسلام کا مطلب ''امن'' ہے

اسلام کو ''سلام'' سے اخذ کیا گیا ہے، جس کا مطلب ہے امن۔ یہ امن کا مذہب ہے جس کی مبادیات، اس کے پیروکاروں کو یہ تعلیم دیتی ہیں کہ وہ امن قائم کریں اور ساری دنیا میں امن پھیلائیں۔

لہٰذا ہر مسلمان کو بنیاد پرست ہونا چاہیے۔ یعنی اسے امن کے مذہب کی، اسلام کی بنیادی باتوں پر لازماً عمل کرنا چاہیے۔ اسے صرف ان لوگوں کے لیے دہشت گرد ہونا چاہیے جو معاشرے میں امن اور سکون کے دشمن ہیں۔ تاکہ معاشرے میں امن، سکون اور عدل وانصاف قائم کیا، اور قائم رکھا جاسکے۔

۸۔غیر سبزیاتی غذا

سوال: جانوروں کو ہلاک کرنا ایک بے رحمانہ فعل ہے۔تو پھر مسلمان غیر سبزیاتی غذا (نان ویجی ٹیرین فوڈ) کیوں استعمال کرتے ہیں؟

جواب: ''سبزی خوری'' آج ایک عالمی تحریک بن چکی ہے۔ بلکہ اب تو اس سے جانوروں کے حقوق بھی وابستہ کر دیے گئے ہیں۔نوبت تو یہاں تک آن پہنچی ہے کہ بہت سے لوگ گوشت یا دوسری غیر سبزیاتی مصنوعات استعمال کرنے کو بھی جانوروں کے حقوق کی خلاف ورزی تصور کرنے لگے ہیں۔

اسلام صرف انسانوں ہی پر نہیں، بلکہ دوسری تمام جاندار مخلوقات پر بھی رحم کی تلقین کرتا ہے۔تاہم،اسی کے ساتھ ساتھ، اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین اوراس پر موجود خوبصورت پودے اور جانور،نوعِ انسانی کے فائدے ہی کے لیے تخلیق فرمائے ہیں۔ یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان تمام ذرائع کو، جو اس کے لیے اللہ کی نعمت اور امانت ہیں، عدل وانصاف کے ساتھ استعمال بھی کرے۔

اب ہم اس دلیل کے مختلف پہلوؤں کو دیکھتے ہیں۔

مسلمان ''پکا سبزی خور'' بھی ہوسکتا ہے

ایک مسلمان پوری طرح سے سبزی خور ہونے کے باوجود بھی ایک اچھا مسلمان ہوسکتا ہے۔مسلمانوں کے لیے یہ قطعاً ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ غیر سبزیاتی غذا ہی کھائیں۔

قرآن پاک،مسلمانوں کوغیر سبزیاتی غذا کی اجازت دیتا ہے

تاہم،قرآنِ پاک میں مسلمانوں کو غیر سبزیاتی غذا کھانے کی اجازت بھی دی گئی ہے۔

اس کا ثبوت درج ذیل آیاتِ مبارکہ ہیں:

﴿ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ﴾ (سورۃ:۵،آیت:۱)

''تمہارے لیے مویشی کی قسم کے سب جانور حلال کیے گئے ہیں۔''

﴿ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ٥ ﴾

(سورۃ:۱۶،آیت:۵)

''اس نے جانور پیدا کیے جن میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی اور طرح طرح کے دوسرے فایدے بھی۔''

﴿ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ٥ ﴾ [سورۃ:۲۳،آیت:۲۱]

''اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق ہے ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہے اسی میں سے ایک چیز (یعنی دودھ) ہم تمہیں پلاتے ہیں اور تمہارے لیے ان میں بہت سے دوسرے فایدے بھی ہیں، ان کو تم کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر سوار بھی کیے جاتے ہو۔''

گوشت غذائیت سے بھرپور، اور مکمل پروٹین سے لبریز ہوتا ہے

غیر سبزیاتی غذا، بہترین پروٹین حاصل کرنے کا اچھا ذریعہ ہوتی ہے۔ حیاتیاتی اعتبار سے اس میں مکمل پروٹین ہوتے ہیں، یعنی ایسے پروٹین جن میں آٹھوں بنیادی امائنو ترشے (امائنو ایسڈ) موجود ہوں۔ یہ ضروری امائنو ایسڈز انسانی جسم میں نہیں بنتے، لہٰذا ان کا بیرونی غذا سے حصول ضروری ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں گوشت میں فولاد (آئرن)، وٹامن بی ون (B_1) اور نیاسین جیسے اہم اجزا بھی پائے جاتے ہیں۔

انسانی دانت ہمہ خور (اومنی وورس) نوعیت کے ہیں

اگر آپ سبزی خور جانوروں مثلاً گائے، بکری یا بھیڑ وغیرہ کے دانتوں کا مشاہدہ کریں تو آپ پر ان سب میں ایک حیرت انگیز یکسانیت کا انکشاف ہوگا۔ ان تمام جانوروں کے دانت سیدھے یا مستوی (فلیٹ) ہیں، یعنی ایسے دانت جو نباتاتی غذا چبانے کے لیے موزوں ترین

ہیں، اسی طرح اگر آپ شیر، چیتے یا تیندوے وغیرہ جیسے کسی گوشت خور جانور کے دانتوں کا مشاہدہ کریں تو وہاں بھی آپ کو ایک خاص طرح کی مماثلت نظر آئے گی۔ یعنی ان تمام، گوشت خور جانوروں کے دانت نوک دار ہیں جو گوشت پرمبنی غذا چبانے کے لیے موزوں ترین ہیں۔ اب، اگر آپ انسانی دانتوں کا مشاہدہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کچھ تو سپاٹ (فلیٹ) ہیں، جبکہ کچھ انسانی دانت نوک دار بھی ہیں۔ مطلب یہ کہ انسانی دانت نباتات (سبزیوں وغیرہ) کے علاوہ گوشت کھانے کے لیے بھی بہت موزوں ہیں۔ گویا انسان ''ہمہ خور'' (اومنی وورس) ہوا، جو سبزی اور گوشت کو یکساں سہولت کے ساتھ چبا سکتا ہے۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ انسان صرف سبزیاں ہی کھائے تو اس نے ہمیں یہ اضافی، نوک دار دانت کیوں دیے؟ اس سوال کا منطقی جواب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ہمہ خور مخلوق کی حیثیت سے تخلیق فرمایا ہے، اور وہ ذاتِ پاک ہم سے توقع رکھتی ہے کہ ہم سبزیوں کے علاوہ غیر سبزیاتی غذا (یعنی گوشت وغیرہ) سے بھی اپنی جسمانی ضروریات پوری کر سکیں۔

انسانی نظام ہاضمہ، سبزیاتی اور غیر سبزیاتی، دونوں طرح کی غذاؤں کو ہضم کر سکتا ہے

سبزی خور جانوروں کا نظامِ ہاضمہ صرف نباتات ہی کو ہضم کر سکتا ہے۔ اسی طرح گوشت خور جانوروں کے نظام ہاضمہ میں صرف گوشت ہضم کرنے کی صلاحیت ہے۔ لیکن انسانی نظام ہاضمہ کی خاصیت ہے کہ یہ سبزیاتی اور غیر سبزیاتی، دونوں طرح کی غذا ہضم کر سکتا ہے۔ اگر اللہ رب العزت یہ چاہتا کہ ہم (انسان) صرف سبزیوں ہی پر گزارا کریں تو وہ ہمارے نظام ہاضمہ کو اس قابل کیوں بناتا کہ وہ سبزیوں کے ساتھ ساتھ غیر سبزیاتی غذا کو بھی ہضم کر سکے۔

ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں بھی غیر سبزیاتی غذا کی اجازت دی گئی ہے

الف: بہت سے ہندو ایسے بھی ہیں جو بڑی سختی سے سبزی خوری کی پابندی کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ''ماس مچھی'' کھانا، ان کے دھرم کے خلاف ہے۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کی اپنی قدیم کتابوں میں لوگوں کے گوشت کھانے پر کوئی پابندی نہیں۔ انہی

قدیم کتابوں میں ایسے سادھوسنتوں کے واقعات بھی لکھے ہیں جو غیر سبزیاتی غذا کھایا کرتے تھے۔

ب: ''منوسمرتی'' نامی کتاب میں، جو ہندو قوانین کا مجموعہ ہے، باب نمبر5 کے 30ویں اشلوک میں لکھا ہے: ''کھانے والا جوان کا گوشت کھائے کہ جو کھانے کے لیے ہیں، تو وہ کچھ برا نہیں کرتا، چاہے وہ ایسا روزانہ ہی کیوں نہ کرے، کیونکہ ایشور نے خود ہی بنایا ہے کچھ کو ایسا کہ کھائے جائیں اور کچھ کو ایسا کہ کھائیں۔''

ج: اسی کتاب، منوسمرتی کے باب نمبر5 کے اگلے اشلوک 31 میں لکھا ہے: ''قربانی کا گوشت کھانا صحیح ہے، یہ ایک ریت ہے جو دیوتاؤں کا حکم جانا جاتا ہے۔''

د: منوسمرتی کے اسی پانچویں باب کے 39ویں اور 40 اشلوک میں ہے: ''ایشور نے خود ہی بنایا ہے قربانی کے جانوروں کو قربانی کے لیے، ......تو قربانی کے لیے مارنا کوئی قتل نہیں ہے۔''

ہ: مہابھارت انوشاسن پروا کے 58 ویں باب میں دھرم راج یدھسٹرا اور بھیشم پتاما کے درمیان اس بات پر مکالمہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے دادا پر دادا کی روحوں کو شردھا (مردوں کی تقریب) کے دوران اطمینان بخشنے کے لیے کوئی کھانا بھینٹ کرنا چاہے تو وہ کیا کرسکتا ہے۔ وہ بیان کچھ یوں ہے:

''یدھشٹرا نے کہا: ''او مہاشکتی شالی، مجھے بتا کہ وہ کیا چیز ہے جسے، اگر اپنے پُرکھوں کی روحوں کو بھینٹ کروں، تو وہ کبھی ختم نہ ہو! وہ کیا بھینٹ ہے جو (اگر دی جائے تو) ہمیشہ کے لیے باقی رہ جائے؟ وہ کیا ہو کہ جو (اگر پیش کی جائے تو) لافانی ہو جائے''

''بھیشم نے کہا ''میری بات سن! اے یودھشترا، وہ بھینٹیں کیا ہیں جو کوئی شخص شردھا میں چڑھائے اور جو شردھا کے لیے اچھی ہوں اور وہ کیا پھل ہیں جو ہر ایک کے ساتھ جوڑے جائیں۔ تل اور چاول اور جو اور ماش اور پانی اور جڑیں اور

پھل ، اگر انہیں شردھا پر بھینٹ کیا جائے تو ، اے بادشاہ! تیرے پرکھوں کی آتمائیں ایک مہینے تک خوش رہیں گی۔ اور اگر تو مچھلیوں کی بھینٹ کرے گا تو تیرے پرکھوں کی آتمائیں دو مہینے تک خوش رہیں گی۔ (بھیڑ کے) گوشت کی بھینٹ انہیں تین مہینوں تک، اور خرگوش (کے گوشت) کی بھینٹ چار مہینوں تک خوش رکھے گی۔ بکری کے گوشت کی بھینٹ سے وہ پانچ مہینوں تک سؤر کے گوشت (کی بھینٹ) سے چھ مہینوں تک خوش رہیں گے، اور پرندوں کا گوشت انہیں سات مہینوں تک خوش رکھے گا۔ ایک ہرن کا گوشت، جسے پریشاتا کہتے ہیں ، اور گوایا کا گوشت دس مہینے تک، اور بھینسے کے گوشت کی بھینٹ انہیں گیارہ مہینے تک خوش رکھے گی۔ یہ کہا جاتا ہے کہ شردھا پر دی گئی، گائے کے گوشت کی بھینٹ ایک سال تک باقی رہتی ہے۔ بھینٹ کے (گائے کے) گوشت کے ساتھ اتنا گھی ملایا جائے کہ وہ تیرے پُرکھوں کی آتماؤں کے لیے قبول ہونے کے قابل ہو۔ دھرنا سا (ایک بڑے بیل) کا گوشت تیرے پُرکھوں کی آتماؤں کو بارہ برسوں تک خوش رکھے گا۔ گینڈے کا گوشت، جسے پُرکھوں کی آتماؤں کو چاند کی اُن راتوں میں بھینٹ کیا جائے جب وہ پرلوک سدھارے تھے، تو وہ گوشت انہیں ہمیشہ خوش رکھے گا۔ اور ایک جڑی بوٹی، جو کلاسکا کہلاتی ہے، اور کنچن پھول کی پتیاں، اور (سرخ) بکری کا گوشت بھی، جو بھینٹ کیا جائے ، ہمیشہ کے لیے خوشی دیتا ہے۔

تو اگر چاہتا ہے کہ تیرے پُرکھوں کی آتمائیں ہمیشہ کے لیے شانت (مطمئن) رہیں تو تجھے چاہیے کہ لال بکری کے گوشت سے ان کی سیوا کر۔"

ہندومت بھی دیگر مذاہب سے متاثر ہوا

اگرچہ ہندو کتابوں میں غیر سبزیاتی غذا کی اجازت دی گئی ہے، لیکن ہندومت کے ماننے والوں نے بعد میں دیگر مذاہب کا اثر قبول کیا اور سبزی خوری کا نظام اپنا لیا۔ ان دوسرے

مذاہب میں جین مت وغیرہ شامل ہیں۔

پودے بھی زندگی رکھتے ہیں

بعض مذاہب نے سبزی خوری کی پابندی صرف اس لیے بھی اختیار کی ہے کیونکہ ان کے غذائی قوانین میں زندہ چیزوں (جانداروں) کو مارنا بالکل ممنوع ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے جانداروں کو ہلاک کیے بغیر زندہ رہ سکتا ہے، تو میں وہ پہلا فرد ہوں گا جو زندگی گزارنے کا یہ طریقہ اختیار کرے گا۔ ماضی میں لوگ یہ سمجھتے تھے کہ پودے بے جان ہوتے ہیں۔ آج یہ ایک مسلمہ عالمی حقیقت ہے کہ پودوں میں بھی زندگی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کی یہ منطق کہ زندہ جانداروں کو مار کر کھانا غلط ہے، آج کے دور میں بالکل غلط ثابت ہوتی ہے، چاہے وہ خالص سبزی خور ہی کیوں نہ بنے رہیں۔

پودے بھی درد محسوس کر سکتے ہیں

وہ یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ پودے درد اور تکلیف کو محسوس نہیں کر سکتے لہٰذا پودوں کو مارنا، کسی جانوروں کو مارنے کے مقابلے میں بہت ہی کمتر درجے کا جرم ہے۔ آج سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ پودے بھی درد محسوس کر سکتے ہیں۔ لیکن پودوں کی چیخ و پکار کو سننا، انسان کے بس میں نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی کان صرف ۲۰ ہرٹز سے لے کر ۲۰،۰۰۰ ہرٹز فریکوینسی تک کی صوتی لہریں سن سکتا ہے۔ مذکورہ دونوں حدود، انسان کے لیے "سماعت کی حدود" بھی کہلاتی ہیں۔ ان حدود سے کم یا زیادہ فریکوینسی والی (صوتی) لہریں انسان کا کان نہیں سن سکتا۔ ایک کتا ۴۰،۰۰۰ ہرٹز تک کی لہروں کو سن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کتوں کے لیے مخصوص سیٹی بجائی جاتی ہے تو اس کی آواز انسانوں کو سنائی نہیں دیتی، لیکن کتے اس آواز کو سن کر دوڑے آتے ہیں۔ اس سیٹی کی آواز کی فریکوینسی ۲۰،۰۰۰ ہرٹز سے زیادہ ہوتی ہے۔

ایک امریکی کسان نے بھی پودوں پر تحقیق کی۔ اس نے ایک ایسا آلہ بنایا جو پودے کی چیخوں کو تبدیل کر کے فریکوینسی کے اس دائرے میں لاتا تھا کہ جہاں انسان بھی انہیں سن سکیں۔ اسے جلد ہی یہ معلوم ہو گیا کہ پودا کس کس وقت پانی کے لیے روتا ہے۔ جدید ترین

تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ پودے خوشی اور غمی تک محسوس کر سکتے ہیں، اور وہ روتے بھی ہیں۔

(**عرضِ مترجم**: ترجمے کا تقاضا پیش نظر رکھتے ہوئے ہم نے یہ بیان اُردو قالب میں منتقل کیا ہے۔ انتہائی معذرت کے ساتھ، پودوں کے رونے کی تحقیق کسی امریکی ٹیبلائٹ کی پیداوار ہے۔ سنجیدہ سائنسی لٹریچر اور تحقیقی مواد سے پتا چلتا ہے کہ ناموافق حالات یا ماحولیاتی دباؤ کے ردّعمل میں پودوں سے بعض مخصوص مرکبات کا اخراج ہوتا ہے۔ ماہرین نباتات انھی کیمیائی مرکبات کو ''پودوں کی چیخوں'' سے تشبیہ دیتے ہیں)

دو حسیات کم والی مخلوق کو قتل کرنا نچلے درجے کا جرم ہے

ایک بار ایک سبزی خور نے بحث کے دوران یہ دلیل پیش کی کہ پودوں میں دو یا تین حسیات ہوتی ہیں، جبکہ جانوروں کی پانچ حسیات ہوتی ہیں۔ لہٰذا (کم تر حسیات کی وجہ سے) پودوں کو مارنا، جانوروں کو مارنے کے مقابلے میں نچلے درجے کا جرم ہے۔ خدانخواستہ، ثم خدانخواستہ، اگر آپ کا کوئی بھائی ایسا ہو جو پیدائشی طور پر ہی بہرا اور گونگا ہو، یعنی جس میں دو حسیات کم ہوں۔ وہ بالغ ہو جائے اور کوئی اسے قتل کر دے، تب کیا آپ جج سے کہیں گے کہ آپ کے بھائی کے قاتل نے ایک کم تر درجے کا گناہ کیا ہے، اور اسی لیے وہ کم تر درجے کی سزا کا حقدار ہے؟ صرف اس لیے کیونکہ آپ کے بھائی میں پیدائشی طور پر دو حسیات کم تھیں؟ اس کے بجائے آپ یہی کہیں گے کہ قاتل نے ایک بے قصور کو، معصوم کو قتل کیا ہے، لہٰذا اسے سخت سے سخت سزا سنائی جائے۔

قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَٰلًا طَيِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَٰتِ الشَّيْطَٰنِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ ﴾ (سورۃ:۲، آیت:۱۶۸)

''لوگو! زمین میں جو حلال اور طیب چیزیں ہیں انھیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

مویشیوں کی زیادہ آبادی

اگر اس دنیا کا ہر انسان سبزی خور ہوتا، تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ دنیا میں مویشیوں کی تعداد حد سے زیادہ بڑھ جاتی، کیونکہ ان میں افزائش نسل اور تولید کا عمل خاصا تیز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے، جو تمام تر حکمت و دانائی کا سرچشمہ ہے، ان مخلوقات کی تعداد کو مناسب انداز میں محدود اور برقرار رکھنے کا راستہ دکھایا ہے۔ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں (سبزیوں کے ساتھ ساتھ) مویشیوں کا گوشت کھانے کی اجازت بھی دی ہے۔

چونکہ سب لوگ غیر سبزی خور نہیں، لہٰذا گوشت کی قیمت بھی مناسب ہے

مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ کچھ لوگ سختی سے سبزی خوری پر کاربند ہیں۔ لیکن انہیں بھی چاہیے کہ وہ غیر سبزی خوروں کو سفاک کہہ کر مذمت نہ کریں۔ دراصل، اگر ہندوستان کے سارے لوگ غیر سبزی خور بن جائیں تو موجودہ غیر سبزی خوروں کا بڑا نقصان ہوگا، کیونکہ ایسی صورت میں گوشت کی قیمت قابو سے باہر ہو جائے گی۔

۷۔ جانوروں کو ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ بے رحمانہ ہے

سوال: مسلمان جانوروں کو ذبح کرتے وقت بے رحمانہ طریقہ کیوں اختیار کرتے ہیں؟ یعنی انہیں اذیت دے کر، آہستہ آہستہ اور تکلیف دہ انداز میں کیوں مارتے ہیں؟

جواب: مسلمانوں میں جانوروں کو مارنے کا طریقہ، یعنی ذبیحہ پر لوگوں کی بڑی تعداد اعتراض اُٹھاتی ہے۔

درج ذیل نکات سے ثابت ہوتا ہے کہ ذبیحہ کا اسلامی طریقہ نہ صرف مبنی برانسانیت ہے، بلکہ یہ سائنسی اعتبار سے بھی بہترین ہے۔

جانور ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ

''ذَکَّیتُم'' جو فعل کے طور پر استعمال ہوتا ہے، اس کا مادہ لفظ ''زکوٰۃ'' (زکاۃ) ہے، یعنی پاک کرنا۔ ''تزکیہ'' بھی اسی سے اخذ کیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں ''پاکی'' جانور ذبح کرنے کے اسلامی طریقے میں درج ذیل شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے:

الف...... جانور کو تیز دھار چیز (چھری) سے ذبح کیا جائے:

جانور کو تیز دھار چیز (چھری) سے، اور تیزی سے ذبح کیا جائے تاکہ ذبح ہونے میں جانور کو ہونے والا درد کم سے کم کیا جائے۔

ب...... نرخرہ، حلق اور گردن کی رگیں کاٹی جائیں:

''ذبیحہ'' ایک مخصوص لفظ ہے جس سے مراد حلق، نرخرہ اور گردن میں موجود رگیں کاٹنا ہے، اس طرح سے جانور کو ذبح کرنے کی وجہ سے اس کی ریڑھ کی ہڈی کاٹے بغیر ہی اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

ج......خون کو بہادیا جائے:

جانور کے سر کو دھڑ سے جدا کرنے سے قبل ضروری ہے کہ اس کا سارا خون پوری طرح سے بہادیا گیا ہو۔اس طرح سے خون کی مکمل نکاسی کا مقصد یہ ہے کہ اگر یہ خون، جسم کے اندر رہ گیا تو یہ جرثوموں کی نشوونما کے لیے ایک اچھے واسطے (میڈیم) کا کام کرے گا۔ ریڑھ کی ہڈی ابھی بالکل نہیں کاٹنی چاہیے. کیونکہ اس میں وہ اعصاب ہوتے ہیں جو دل تک جاتے ہیں۔ اگراس مرحلے پر یہ اعصاب کٹ گئے تو دل کی دھڑکن بھی رُک سکتی ہے، جس کی وجہ سے رگوں کے اندر خون جما رہ جائے گا۔

جرثوموں اور بیکٹریا کے لیے خون ایک اچھا واسطہ ہے

جرثوموں ، بیکٹر یا اور زہریلے مرکبات وغیرہ کی افزائش کے لیے خون ایک اچھا واسطہ ہے۔لہٰذا، جانور کو ذبح کرنے کے اسلامی طریقہ میں سارا (یا بیشتر) خون نکال دینا حفظانِ صحت کے اُصولوں کے عین مطابق ہے، کیونکہ اس خون میں جراثیم ، بیکٹیریا اور زہریلے مادے ہوتے ہیں۔

گوشت زیادہ عرصے تک تازہ رہتا ہے

اسلامی طریقے کے مطابق کی گئی قربانی کا گوشت زیادہ عرصے تک تازہ اور کھانے کے قابل رہتا ہے، کیونکہ اس میں دوسرے طریقوں سے کاٹے گئے جانوروں کے گوشت کی بہ نسبت خون کی مقدار بہت ہی کم ہوتی ہے۔

جانور کو تکلیف محسوس نہیں ہوتی

گردن کی رگیں تیزی سے کاٹنے کی وجہ سے دماغ تک جانے والے ان اعصاب تک خون کا بہاؤ بھی رُک جاتا ہے جو درد کا احساس پیدا کرتے ہیں۔لہٰذا جانور کو درد کا احساس نہیں ہوتا۔ یاد رہے کہ (دورانِ ذبیحہ) مرتا ہوا کوئی جانور تکلیف کی وجہ سے جھٹکے نہیں لیتا، بلکہ اس میں پھڑکنے، تھرکنے اور کانپنے وغیرہ جیسی کیفیت اس لیے ہوتی ہیں کیونکہ اس کے پٹھوں میں خون کی کمی واقع ہو چکی ہوتی ہے اور ان میں تناؤ بے قابو انداز سے گھٹتا بڑھتا ہے۔

۸۔ غیر سبزیاتی غذا مسلمانوں کو متشدد بناتی ہے

سوال: سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ انسان جو کچھ بھی کھاتا ہے، وہ اس کے طرزِ عمل پر اثر ڈالتا ہے۔ تو پھر اسلام مسلمانوں کو غیر سبزیاتی غذا کی اجازت کیوں دیتا ہے؟ حالانکہ جانوروں کا گوشت کھانے کی وجہ سے انسان متشدد اور غضب ناک (مزاج کا حامل) بن سکتا ہے۔

جواب:

صرف نباتات خور جانور کھانے کی اجازت ہے

میں اس بات سے متفق ہوں کہ انسان جو کچھ بھی کھاتا ہے، اس کا اثر اس کے طرزِ عمل پر ضرور پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں گوشت خور جانوروں، مثلاً شیر، چیتے اور تیندوے وغیرہ کا گوشت کھانے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ درندے ہیں اور متشدد بھی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ایسے جانوروں کا گوشت ہمیں بھی درندہ صفت بنا دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں صرف وہ جانور کھانے کی اجازت ہے جو نباتات خور ہوں جیسے گائے، بکری، بھیڑ وغیرہ۔ یہ وہ جانور ہیں جو پُر امن اور فرمانبردار ہیں۔ مسلمان پر امن اور فرمانبردار جانوروں ہی کا گوشت کھاتے ہیں، اس لیے وہ بھی امن سے محبت کرنے والے اور غیر متشدد لوگ ہوتے ہیں۔

قرآنِ پاک فرماتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بری چیزوں سے روکتے ہیں

قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ﴾ [سورۃ: ۷، آیت: ۱۵۷]

"وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال

اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔ ان پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔“

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾ [سورۃ:۵۹، آیت:۷]

”جو کچھ رسولؐ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روک دے اس سے رُک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔“

مسلمانوں کے لیے رسول پاک (ﷺ) کا فرمان ہی انہیں قائل کرنے کے لیے کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ وہ بعض جانوروں کا گوشت کھائیں، جبکہ بعض دوسرے جانوروں کا گوشت کھالیا کریں۔

احادیث مبارکہ میں گوشت خور جانور کھانے سے روکا گیا ہے

صحیح بخاری اور مسلم میں موجود، متعدد مستند احادیث کے مطابق گوشت خور جانور کھانے کی ممانعت ہے۔ انہی میں سے ایک حدیث نبوی (ﷺ) کے مطابق، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے (حدیث نمبر ۴۷۵۲)، اور سنن ابن ماجہ کے تیرھویں باب کی احادیث نمبر ۳۲۳۲ تا ۳۲۳۴ کے مطابق، رسول پاک (ﷺ) نے درج ذیل چیزیں کھانے سے منع فرمایا ہے:

۱۔ جنگلی جانور، جس کے دانت نوک دار ہوں، یعنی گوشت خور جانور۔ یہ جانور بلی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں شیر، ببر شیر، چیتا، بلیاں، کتے، بھیڑیے اور لگڑ بھگے وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ کتر کر کھانے والے بعض جانور جیسے چھوٹے چوہے، بڑے چوہے، پنجوں والے خرگوش وغیرہ۔

۳۔ رینگنے والے بعض جانور مثلاً سانپ اور مگرمچھ وغیرہ۔

۴۔ شکاری پرندے جن کے پنجوں میں لمبے اور نوک دار ناخن ہوں (جیسے کہ عموماً شکاری پرندوں میں ہوتے ہیں) ان میں گدھ، عقاب، کوے اور اُلو وغیرہ شامل ہیں۔

ایسی کوئی سائنسی شہادت نہیں ہے جو کسی شک وشبہ سے بالاتر ہو کر یہ ثابت کر سکے کہ غیر سبزیاتی غذا کھانے کی وجہ سے کوئی پر تشدد بھی بن سکتا ہے۔

۹۔ مسلمان کعبہ کی عبادت کرتے ہیں

سوال: اگرچہ اسلام میں بتوں کو پوجنے کی سخت ممانعت ہے لیکن مسلمان کعبہ کی عبادت (پوجا) کیوں کرتے ہیں اور اپنی نمازوں کے دوران اس کے سامنے کیوں جھکتے ہیں؟

جواب: کعبہ ہمارے لیے قبلہ ہے، یعنی وہ سمت جس طرف مسلمان نماز کے دوران منہ کرتے ہیں۔ یہ بات توجہ طلب ہے کہ اگرچہ مسلمان، نماز کے دوران کعبہ کی طرف رُخ کرتے ہیں، مگر وہ کعبہ کی عبادت نہیں کرتے۔ مسلمان صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اسی کے سامنے جھکتے ہیں۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے:

﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ﴾ [سورۃ:۲،آیت:۱۴۴]

''اے نبیؐ! یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ لو! ہم اسی قبلے کی طرف تمہیں پھیر دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو۔''

اسلام اتحاد و یگانگت کے فروغ پر یقین رکھتا ہے

مثلاً، اگر مسلمان نماز پڑھنا چاہیں تو بہت ممکن ہے کہ کچھ لوگ شمال کی طرف منہ کرنا چاہیں، کچھ جنوب کی سمت، کچھ مشرق کی تو کچھ مغرب کی سمت۔ ایک اور سچے رب العالمین کی عبادت کے موقع پر مسلمانوں میں اتحاد و اتفاقِ رائے کے لیے انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی ہوں، جب اللہ کی عبادت کریں تو ایک ہی سمت رُخ کر کے عبادت کریں...... یعنی کعبۃ اللہ کی طرف۔ اگر کچھ مسلمان کعبہ کے مغرب میں رہ رہے ہوں تو انہیں (اللہ کی عبادت کے لیے) مشرق کی طرف اپنا رُخ کرنا ہوگا۔ اسی طرح کعبے کے مشرق میں رہنے والے مسلمانوں کو مغرب کا رُخ کرنا ہوگا۔

کعبۃ اللہ، دنیا کے نقشے کا مرکز ہے

دنیا کا اوّلین نقشہ مسلمانوں نے تیار کیا تھا۔ ان کے تیار کردہ نقشوں میں جنوب اوپر کی طرف اور شمال نیچے کی طرف ہوتا تھا۔ کعبہ اس کے مرکز میں تھا۔ بعدازاں مغربی نقشہ سازوں نے جب نقشے بنائے تو یہ ترتیب اُلٹ دی، یعنی شمال اوپر اور جنوب کو نیچے کر دیا۔ لیکن، الحمدللہ، تب بھی کعبۃ اللہ دنیا کے نقشے کے مرکز ہی میں رہا۔

کعبہ کا طواف، اللہ کی وحدانیت کا اظہار ہے

جب مسلمان مکہ کی مسجد حرام میں جاتے ہیں، وہ کعبہ کا طواف کرتے یا (کعبہ کے گرد) چکر لگاتے ہیں۔ ان کا یہ عمل ایک اللہ پر عقیدے اور اُسی کی عبادت کی علامت ہے، کیونکہ جس طرح دائرے کا ایک ہی مرکز ہوتا ہے، بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی واحد رب ہے جو عبادت کے لائق ہے۔

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی حدیث

کعبۃ اللہ میں نصب سیاہ پتھر، یعنی حجرِ اسود کے بارے میں ایک حدیث ہے جو حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جلیل القدر صحابی حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔

صحیح بخاری، جلد دوم، کتاب حج، باب ۵۶ میں مروی حدیث نمبر ۶۷۵ کے مطابق، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمایا: ''میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو کسی کو فائدہ یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اگر میں نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تجھے چھوتے اور چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے کبھی نہ چھوتا (اور نہ ہی چومتا)''

لوگوں نے کعبہ پر کھڑے ہو کر اذان دی

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں لوگ کعبۃ اللہ پر کھڑے ہو کر اذان بھی دیا کرتے تھے۔ اُن سے پوچھیے جو مسلمانوں پر کعبہ کی پرستش کا الزام لگاتے ہیں؛ کہ بتوں کی پوجا کرنے والا کوئی شخص کیا کبھی اپنے (پوجے جانے والے بُت) کے اوپر کھڑا ہوتا ہے؟

۱۰۔ مکہ میں غیر مسلموں کے داخلے کی اجازت نہیں

سوال: مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں میں غیر مسلموں کو داخل ہونے کی اجازت کیوں نہیں ہے؟

جواب: یہ سچ ہے کہ قانونی طور پر مکہ اور مدینۃ النبی ﷺ کے مقدس شہروں میں غیر مسلموں کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ ذیل کے نکات میں اس پابندی کے پس پشت موجود، ممکنہ اسباب کی نشاندہی کی گئی ہے۔

تمام شہریوں کو چھاؤنی (کنٹونمنٹ ایریا) میں جانے کی اجازت نہیں ہوتی

میں ہندوستان کا شہری ہوں۔ لیکن پھر بھی مجھے (ہندوستان ہی کے) بعض پابندی والے علاقوں، مثلاً چھاؤنیوں میں جانے کی اجازت نہیں۔ ہر ملک میں کچھ نہ کچھ ایسے علاقے ضرور ہوتے ہیں جہاں ایک عام شہری داخل نہیں ہوسکتا۔ مثلاً چھاؤنی (کنٹونمنٹ) کے علاقوں میں صرف وہی شہری جاسکتے ہیں جو فوج سے تعلق رکھتے ہوں یا پھر ملکی دفاع سے اُن کا کوئی تعلق ہو۔ اسی طرح اسلام بھی ساری دنیا اور تمام انسانیت کے لیے ایک آفاقی مذہب ہے۔ اسلام میں بھی دو شہر ایسے ہیں جو کسی چھاؤنی کی مانند نہایت اہم ہیں: مکہ اور مدینہ۔ ان شہروں میں صرف وہی لوگ جاسکتے ہیں جو اسلام پر ایمان رکھتے ہوں اور اس کے دفاع میں شریک ہوں۔ یعنی یہاں صرف مسلمان ہی داخل ہوسکتے ہیں۔

کنٹونمنٹ ایریا میں داخلے کی پابندی کے خلاف ایک عام شہری کا احتجاج کرنا غیر قانونی ہوتا ہے۔ اسی طرح غیر مسلموں کے لیے بھی یہ مناسب نہیں کہ وہ مکہ اور مدینہ میں غیر مسلموں کے داخلے پر پابندی کے خلاف کوئی اعتراض کریں۔

مکہ اور مدینہ میں داخلے کا ''ویزہ''

الف: جب بھی کوئی شخص کسی دوسرے ملک کا سفر کرتا ہے تو پہلے اسے ویزا حاصل کرنا پڑتا ہے۔ یعنی اس ملک میں داخل ہونے کا اجازت نامہ۔ ہر ملک کے اپنے قاعدے، قوانین اور ضروریات ہوتی ہیں جن کی مطابقت میں ویزا جاری کیا جاتا ہے۔ جب تک وہ تمام شرائط پوری نہ کر دی جائیں، تب تک اس ملک کے اہلکار ویزا جاری نہیں کرتے۔

ب: ویزوں کے اجرا کے معاملے میں ریاستہائے متحدہ امریکہ ایک نہایت سخت گیر ملک ہے، خصوصاً جب تیسری دنیا کے باشندوں کو ویزے جاری کرنے کا معاملہ ہو۔ اس کی متعدد شرائط اور ضروریات ہیں جو ویزا کے حصول سے پہلے پوری کرنا لازمی ہوتی ہیں۔

ج: جب میں سنگاپور گیا، تو وہاں کے امیگریشن فارم پر یہ واضح طور پر لکھا تھا کہ منشیات کی سمگلنگ کرنے والوں کو سزائے موت دی جائے گی۔ اگر میں سنگاپور جانا چاہوں تو مجھے اُن کے قوانین کی پاسداری کرنا ہوگی۔ میں ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن کے ہاں موت کی سزا ایک بے رحمانہ فعل ہے۔ مجھے صرف اُسی صورت میں وہاں جانے کی اجازت ملے گی جب میں ان کی شرائط اور ضروریات کی پاسداری کرنے کا اقرار کروں گا۔

د: مکہ یا مدینہ کا ویزہ، یعنی وہاں داخل ہونے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ ہونٹوں سے ''لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ'' کہہ کر اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کا اقرار کیا جائے اور حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) کو اللہ کا رسول تسلیم کیا جائے۔

۱۱۔ سؤر کا گوشت حرام ہے

سوال: اسلام میں سؤر کا گوشت کھانے کی ممانعت کیوں ہے؟

جواب: اسلام میں سؤر کا گوشت کھانے کی ممانعت سے کم وبیش سبھی واقف ہیں۔ درج ذیل نکات میں اس پابندی کی کئی حوالوں سے وضاحت کی گئی ہے:

سؤر کا گوشت کھانے کی ممانعت قرآن میں

قرآن پاک میں کم از کم چار مقامات پر سؤر کا گوشت کھانے کی ممانعت آئی ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ ۲، آیت ۱۷۳، سورۃ ۵، آیت:۳، سورۃ ۶، آیت : ۱۴۵، اور سورۃ ۱۶، آیت:۱۱۵ میں اس حوالے سے احکامات وارد ہوئے ہیں۔

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ﴾

[سورۃ:۵، آیت:۳]

”تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سؤر کا گوشت وہ جانور جو خدا کے سوا کسی اور نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر، بلندی سے گر کر یا ٹکر کھا کر مرا ہو، یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو، سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا اور وہ جو کسی آستانے پر ذبح کیا گیا ہو۔“

قرآن پاک کی مذکورہ بالا آیات، مسلمانوں کو اس امر کے حوالے سے مطمئن کرنے کے لیے کافی ہیں کہ سؤر کا گوشت کیوں حرام ہے۔

بائبل نے بھی سؤر کھانے کی ممانعت کی ہے

ممکنہ طور پر عیسائی اپنے ہی مذہبی صحیفے کے تو قائل ہوں گے۔ بائبل میں سؤر کا گوشت

کھانے کی ممانعت ''کتابِ احبار'' کے تحت اس طرح آئی ہے:

''اور سؤر کو، کیونکہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں، پر وہ جگالی نہیں کرتا۔ وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے۔ تم ان کا گوشت نہ کھانا اور اُن کی لاشوں کو نہ چھونا، وہ تمہارے لیے ناپاک ہیں۔''

[پرانا عہد نامہ۔ احبار، باب:۱۱۔۷تا۸]

کچھ ایسے ہی الفاظ کے ساتھ پرانے عہد نامے کی پانچویں کتاب ''استثناء'' میں سؤر کھانے کی ممانعت آئی ہے:

''اور سؤر تمہارے لیے اس سبب سے ناپاک ہے کہ اس کے پاؤں تو چرے ہوئے ہیں پر وہ جگالی نہیں کرتا۔ تم نہ تو ان کا گوشت کھانا اور نہ اُن کی لاشوں کو ہاتھ لگانا۔''

[استثناء۔ باب:۱۴۔۸]

کچھ ایسی ہی ممانعت، پرانے عہد نامہ کی کتاب ''یسعیاہ'' کے باب نمبر ۶۵ اشعار ۲ تا ۵ میں بھی آئی ہے۔

سؤر کے گوشت کے استعمال سے کئی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں

اب آیئے غیر مسلموں اور خدا کو نہ ماننے والوں کی طرف۔ تو انہیں صرف عقلی دلائل، منطق اور سائنس کے ذریعے ہی قائل کیا جا سکتا ہے۔ سؤر کا گوشت کھانے سے کم از کم ۷۰ مختلف الاقسام بیماریاں لاحق ہوتی ہیں۔ ایک شخص میں کئی طرح کے پیٹ کے کیڑے ہو سکتے ہیں مثلاً راؤنڈ ورم، پن ورم اور ہک ورم وغیرہ۔ ان میں سے ایک سب سے خطرناک ہے جو ٹائینا سولیئم (Taenia Soliam) کہلاتا ہے، اور جسے عام زبان میں ٹیپ ورم بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بہت لمبا ہوتا ہے اور آنت میں رہتا ہے۔ اس کے انڈے (Ova) خون کی گردش میں شامل ہو کر جسم کے کسی بھی حصے میں پہنچ سکتے ہیں۔ اگر یہ دماغ تک جا پہنچیں تو یادداشت کو شدید نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اگر یہ دل میں داخل ہو جائے تو دِل کے دورے کی وجہ بن سکتا ہے۔ آنکھ میں جا پہنچنے پر یہ نابینا پن کا باعث بنتا ہے۔ جگر میں گھس بیٹھے تو پورے جگر کا ستیاناس کر ڈالتا

ہے۔غرض یہ کہ اس کی وجہ سے جسم کے کم و بیش تمام اعضا غارت ہو سکتے ہیں۔ پیٹ میں پایا جانے والا ایک اور خطرناک طفیلیہ (Trichura Lichurasis) ہے۔

ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ اگر سؤر کا گوشت اچھی طرح سے پکایا جائے تو (اِن کیڑوں کے) انڈے تلف ہو جائیں گے۔ امریکہ میں کی گئی ایک تحقیق سے معلوم ہوا کہ ٹرائی کیورا سے متاثر، چوبیس افراد میں سے بیس ایسے تھے جنہوں نے سؤر کا گوشت خوب اچھی طرح پکا کر کھایا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سؤر کے گوشت میں موجود انڈے، کھانا پکانے کے عمومی درجہ حرارت پر بھی نہیں مرتے۔

سؤر کے گوشت میں چربی بڑھانے والا مادہ ہوتا ہے

سؤر کے گوشت میں ایسے مادے بہت کم ہوتے ہیں جو عضلات (پٹھوں) کی نشوونما میں کام آتے ہوں۔ اس کے برعکس یہ چربی سے بھرپور ہوتا ہے۔ یہ چربی، خون کی نالیوں میں جمع ہوتی رہتی ہے اور آخرکار شدید تناؤ (ہائپر ٹینشن) اور دل کے دورے کی وجہ بن سکتی ہے۔ لہٰذا اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ ۵۰ فیصد سے زاید امریکیوں کو ہائپر ٹینشن کا مرض لاحق ہے۔

سؤر، دنیا کے غلیظ ترین جانوروں میں سے ہے

سؤر، دنیا کے غلیظ ترین جانوروں میں سے ایک ہے۔ یہ گندگی، غلاظت اور فضلے پر گزارا کرتا ہے۔ میری معلومات کے مطابق یہ بہترین مہتر ہے جسے خدا نے پیدا کیا ہے۔ وہ دیہات جہاں جدید طرز کے طہارت خانے (ٹوائلٹ) نہیں ہوتے، اور جہاں لوگ کھلے مقامات پر بیٹھ کر اجابت کرتے ہیں، وہاں لوگوں کی بیشتر غلاظت یہ سؤر ہی صاف کرتے ہیں۔

بعض صاحبان یہ کہہ سکتے ہیں کہ آسٹریلیا جیسے جدید ممالک میں سؤروں کی نسل خیزی اور نشوونما نہایت صاف ستھرے اور صحت افزا حالات میں کی جاتی ہے۔ اتنے صحت افزا اور محتاط ماحول کے باوجود جہاں سؤروں کو سؤر باڑوں کے اندر ہی (دوسرے جانوروں سے الگ کر کے) رکھا جاتا ہے۔ آپ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرلیں کہ انہیں صاف ستھرا رکھیں، مگر یہ جانور

اپنی فطرت ہی میں غلیظ ہے۔ انہیں اپنی اور اپنے ساتھ کے دوسرے جانوروں کی غلاظت کھانے میں ہی مزا آتا ہے۔

سؤر سب سے بے حیا جانور ہے

اس تمام روئے زمین پر سؤر سب سے بے شرم جانور ہے۔ یہ وہ واحد جانور ہے جو اپنی شریک (Mate) کے ساتھ مجامعت کے لیے اپنے دوستوں کو دعوت دیتا ہے۔ امریکہ میں بہت سارے لوگ سؤر کا گوشت کھاتے ہیں۔ رقص و سرور کی بیشتر محفلوں کے بعد وہ اپنی بیویاں آپس میں بدل لیتے ہیں۔ یعنی وہ کہتے ہیں ''تم میری بیوی کے ساتھ سو جاؤ میں تمہاری بیوی کے ساتھ سو جاتا ہوں۔'' اگر آپ سؤر کا گوشت کھائیں گے تو آپ بھی سؤر ہی کی طرح برتاؤ کرنے لگیں گے۔

۱۴۔ شراب کی ممانعت

سوال: اسلام میں شراب پینے کی ممانعت کیوں ہے؟

جواب: انسانی تاریخ وتہذیب کی باقاعدہ یادداشت شروع ہونے سے بھی بہت پہلے سے شراب انسانی معاشرے کے لیے ایک اذیت بنی ہوئی ہے۔ یہ لاتعداد انسانی جانیں لے چکی ہے، اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ اسی کی بدولت دنیا بھر میں کروڑوں لوگوں کی زندگیاں نشانِ عبرت بن چکی ہیں۔ معاشرے کو درپیش متعدد مسائل کی بنیادی وجہ شراب ہی ہے۔ جرائم میں اضافے سے وابستہ اعداد وشمار ذہنی بیماریوں کی بڑھتی ہوئی شرح اور دنیا میں پھیلے ہوئے کروڑوں برباد گھرانے شراب ہی کی تخریبی طاقت کی خاموش یادگاریں ہیں۔

قرآنِ پاک میں شراب کی ممانعت

درج ذیل آیات مبارکہ میں قرآن پاک ہمیں شراب سے روکتا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

[سورۃ:۵، آیت:۹۰]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے، یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو اُمید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔“

بائبل میں شراب نوشی کی ممانعت

بائبل کی درج ذیل آیات میں شراب نوشی کی مذمت ملتی ہے:

”مے مسخرہ اور شراب ہنگامہ کرنے والی ہے اور جو کوئی ان سے فریب کھاتا ہے (وہ) دانا نہیں۔“ [امثال۔ باب ۲۰، شعر:۱]

''اور شراب کے نشے میں متوالے نہ بنو۔'' [افسیوں۔ باب ۵، آیت:۱۸]

شراب، ذہن کے گریزی مرکز کو کام کرنے سے روکتی ہے

انسانی دماغ کا ایک حصہ ''گریزی مرکز'' (Inhibitory Centre) کہلاتا ہے۔ اس حصے کا کام کسی انسان کو ایسے اُمور سے باز رکھنا ہے جنہیں وہ فرد غلط سمجھتا ہو۔ مثلاً ایک عام انسان اپنے بڑوں اور بزرگوں کے سامنے بیہودہ زبان استعمال نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو حاجت رفع کرنی ہو تو دماغ کا گریزی مرکز اسے لوگوں کے سامنے ایسا کرنے سے باز رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ ایسی صورت میں طہارت خانے کا رُخ کرتا ہے۔

جب کوئی شخص شراب پیتا ہے تو اس کا گریزی مرکز خود ہی کام کرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ عین یہی وجہ ہے کہ شراب کے نشے میں دُھت کوئی شخص ایسے طرزِ عمل میں مبتلا ہو جاتا ہے جو اس کے عمومی مزاج سے قطعاً میل نہیں کھاتا۔ مثلاً شراب کے نشے میں مدہوش کوئی شخص بیہودہ اور غلیظ زبان استعمال کرنے میں کوئی شرم کوئی باک محسوس نہیں کرتا اور اپنی غلطی بھی نہیں مانتا، چاہے وہ اپنے والدین ہی سے مخاطب کیوں نہ ہو۔ بہت سے شرابی تو اپنے کپڑوں ہی میں پیشاب کر دیتے ہیں۔ نہ وہ ڈھنگ سے بات کر پاتے ہیں اور نہ ہی ٹھیک سے چل پاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ نہایت شرمناک حرکتیں بھی کر گزرتے ہیں۔

زنا، عصمت دری، ہوس پرستی اور ایڈز کے واقعات شراب نوشوں میں بہت عام ہوتے ہیں

امریکی محکمہ دفاع کے ذیلی ادارے ''نیشنل کرائم وکٹما ئزیشن سروے بیورو آف جسٹس'' کے مطابق، ۱۹۹۶ء کے دوران (امریکہ میں) ہر روز عزت لوٹنے کے ۲،۷۱۳ واقعات ہوئے۔ انہی اعداد و شمار سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ عصمت دری کرنے والے لوگوں کی اکثریت یہ فعل بد کرتے وقت نشے کی حالت میں تھی۔ بالکل یہی بات دست اندازی کے واقعات کے لیے بھی درست ہے۔

اعداد و شمار کے مطابق، ۸ فیصد امریکی ''انسیسٹ'' (Incest) میں مبتلا ہیں۔ مطلب یہ

کہ ہر بارہ یا تیرہ میں سے ایک امریکی، انسیسٹ میں مبتلا ہے۔ انسیسٹ کے تقریباً تمام واقعات شراب نوشی ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں، جن میں ایک یا دونوں افراد ملوث ہو جاتے ہیں۔

(**عرضِ مترجم**: انگریزی لفظ Incest کا درست اُردو لفظی ترجمہ کسی لغت میں موجود نہیں۔ تاہم اس کی وضاحت سے اس عمل کے گھناؤنے پن کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے: "ایسے نہایت قریبی رشتے کہ جن کے درمیان قانون اور مذہب کی رُو سے شادی نہ ہو سکتی ہو، ان کے درمیان جنسی تعلقات کو Incest کہا جاتا ہے۔")

اسی طرح ایڈز نامی مہلک بیماری کے پھیلاؤ سے وابستہ اسباب میں ایک اہم وجہ شراب نوشی ہی ہے۔

ہر عادی شراب نوش "معاشرتی مے نوشی" ہی سے ابتدا کرتا ہے

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو شراب نوشی کے حق میں دلائل دیتے ہوئے خود کو "معاشرتی مے نوش" (سوشل ڈرنکر) قرار دیتے ہیں۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے صرف ایک یا دو جام (پیگ) ہی پیے ہیں، انہیں خود پر اچھی طرح سے کنٹرول ہے اور وہ کبھی شراب پی کر مدہوش نہیں ہوئے۔ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ آج کے تمام عادی شراب نوشوں نے ماضی میں معاشرتی مے نوشی ہی سے ابتدا کی تھی۔ کوئی ایک عادی شراب نوش یا "پیکڑ" ایسا نہیں جس نے شراب نوشی کی ابتدا اس ارادے سے کی ہو کہ وہ آگے چل کر اس لت میں پڑے گا یا پیکڑ بنے گا۔ کوئی ایک معاشرتی مے نوش بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ کئی سال سے شراب پیتا آ رہا ہے اور یہ کہ اُسے خود پر اتنا زیادہ کنٹرول ہے کہ وہ (شراب پی کر) ایک بار بھی مدہوش نہیں ہوا۔

اگر کوئی شخص نشے میں مدہوش ہو کر صرف ایک بار بھی کوئی شرمناک حرکت کر بیٹھے تو وہ ساری زندگی اس کے ساتھ رہے گی:

فرض کیجیے کہ ایک "معاشرتی مے نوش" اپنی زندگی میں صرف ایک بار (نشے کی حالت میں) خود پر کنٹرول کھو دیتا ہے اور مدہوشی کی حالت میں زنا یا انسیسٹ کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

اگر اسے بعد میں اپنے اس عمل پر پچھتاوا بھی ہوتا ہے، تب بھی ایک نارمل انسان اس جرم کا احساس ساری زندگی اپنے ساتھ لیے پھرے گا۔ یعنی بد فعلی کا مرتکب اور اس کا شکار، دونوں ہی نا قابل تلافی انداز میں تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔

احادیثِ مبارکہ میں شراب نوشی کی ممانعت

حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الف: سنن ابن ماجہ، جلد سوم، کتاب الخمر (باب ۳۰، حدیث: ۳۳۷۱):

"شراب تمام برائیوں کی ماں (ام الخبائث) ہے اور تمام برائیوں میں سب سے زیادہ شرمناک ہے۔"

ب: سنن ابن ماجہ، جلد سوم، کتاب الخمر (باب ۳۰، حدیث: ۳۳۹۲):

"ہر وہ چیز جس کی زیادہ مقدار نشہ کرتی ہو، اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔"

گویا یہاں چند قطروں اور چند گھونٹ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔

ج: صرف شراب نوشی کرنے والوں ہی پر لعنت نہیں کی گئی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ بھی ملعون ہیں جو شراب نوشوں کے ساتھ براہِ راستے یا بالواسطہ معاملت رکھیں۔

سنن ابن ماجہ، جلد سوم، کتاب الخمر (باب ۳۰، حدیث: ۳۳۸۰) کے مطابق، حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا:

"اللہ کی لعنت نازل ہوتی ہے، لوگوں کے اُن دس گروہوں پر جو شراب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک وہ جو شراب کشید کرے، ایک وہ کہ جس کے لیے کشید کی گئی، ایک وہ جو اسے پیے، ایک وہ جو اس کی بار برداری کرے، ایک وہ کہ جس تک یہ پہنچائی جائے، ایک وہ جو اسے پیش کرے، ایک وہ جو اسے فروخت کرے، ایک وہ جو اس سے کمائی گئی دولت استعمال کرے، ایک وہ جو اسے خریدے اور ایک وہ جو اسے کسی دوسرے کے لیے خریدے۔"

شراب نوشی سے وابستہ بیماریاں

سائنسی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو شراب نوشی سے دور رہنے کی متعدد عقلی وجوہ ملیں گی۔ اگر دنیا میں اموات کی کوئی ایک سب سے بڑی وجہ تلاش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ شراب نوشی ہی ہے۔ ہر سال لاکھوں لوگ محض شراب نوشی ہی کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں۔ مجھے شراب کے بُرے اثرات کی تفصیل میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ان میں سے بیشتر سے تقریباً سبھی واقف ہیں۔ تاہم ذیل میں شراب نوشی سے وابستہ امراض کی ایک مختصر سی فہرست ضرور دی جا رہی ہے:

۱۔ جگر کا سکڑاؤ (سروسس) شراب سے لاحق ہونے والی بیماریوں میں سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے۔

۲۔ دیگر امراض میں غذائی نالی کا سرطان، سر اور گردن کا سرطان، جگر کا سرطان (ہیپا ٹوما) اور معدے کا سرطان وغیرہ شامل ہیں۔

۳۔ غذائی نالی کی سوزش، معدے پر ورم، لبلبے پر ورم اور ہیپا ٹائٹس کا تعلق بھی شراب نوشی سے ہے۔

۴۔ کارڈیو مایو پیتھی، ہائپر ٹینشن، کورونری آرتھروسکیلروسس، انجائنا اور دل کے دورے کا تعلق بھی بہت زیادہ شراب نوشی سے ہے۔

۵۔ اسٹروک، ایپوپلیکسی، فِٹس اور دوسری اقسام کی معذوریوں کا تعلق بھی شراب نوشی ہی سے ہے۔

٦۔ پیریفرل نیورو پیتھی، کورٹیکل ایٹروفی، اور سیر بیلر ایٹروفی جیسی معروف علامتوں کا ظہور بھی شراب نوشی کے طفیل ہوتا ہے۔

۷۔ حالیہ واقعات بھول جانے کے ساتھ ورنِک کورسا کوف سنڈروم، مختلف الاقسام معذوریوں کے ساتھ بول چال اور یادداشت کا پرانے واقعات تک محدود رہ جانے کی وجہ تھائی مین کی کمی ہے جو بہت زیادہ شراب نوشی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

۸۔ بیری بیری اور دوسری خرابیاں بھی شراب نوشوں میں کمیاب نہیں۔ حتیٰ کہ انہیں پلا جرا بھی ہو جاتا ہے۔

۹۔ ڈیلیریم ٹریمنس ایک اور سنجیدہ پیچیدگی ہے جو شراب نوشوں میں کسی تعدیہ کے ظہور نو کے دوران آپریشن کے بعد واقع ہو سکتی ہے۔ یہ کیفیت شراب سے دور رہتے دوران، اسے چھوڑنے کے ایک اثر کے طور پر بھی ظاہر ہو سکتی ہے۔ یہ پیچیدگی بہت سنجیدہ ہے اور بسا اوقات اچھے مراکز صحت میں علاج کروانے کے باوجود بھی موت کی وجہ بن سکتی ہے۔

۱۰۔ پیشاب اور گردوں کے متعدد مسائل بھی شراب نوشی سے وابستہ ہیں جن میں مکسوڈیما سے لے کر ہائپر تھائیرائیڈزم اور فلورڈ کشنگ سنڈروم تک شامل ہیں۔

۱۱۔ خون پر شراب نوشی کے منفی اثرات کی فہرست بھی طویل اور متنوع ہے۔ تاہم، فولک ایسڈ میں کمی ایک ایسی علامت ہے جو کثرتِ مے نوشی کا سب سے عام نتیجہ ہے اور جو میکرو سائیٹک انیمیا کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔ زیوز سینڈروم تین امراض یعنی ہیمولٹیک انیمیا ، یرقان اور ہائپر لائپیڈیمیا کا مجموعہ ہے جو مے نوشوں کے تعاقب میں رہتی ہے۔

۱۲۔ تھرمبوسائٹوپیپیا اور پلیٹلٹس کی دیگر خرابیاں بھی شراب نوشوں میں عام ہیں۔

۱۳۔ عام استعمال ہونے والی دوا، یعنی ''فلیجل'' (میٹرونیڈازول) بھی شراب کے ساتھ نہایت برے انداز میں عمل کرتی ہے۔

۱۴۔ کسی بیماری کا بار بار حملہ آور ہونا، شراب نوشوں میں بہت عام ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کثرتِ مے نوشی کے باعث ان کے جسم میں بیماریوں کے خلاف مزاحمت اور ان کا جسمانی دفاعی نظام نہایت کمزور پڑ جاتے ہیں۔

۱۵۔ سینے کے مختلف الاقسام تعدیے بھی شراب نوشوں میں بکثرت ہوتے ہیں۔ نمونیا، پھیپھڑوں کی خرابی (Abcess) ایمفی سیما اور پلمونری ٹیوبرکلوسس، شراب نوشوں میں بہت عام ہے۔

۱۶۔ بہت زیادہ شراب پینے کے بعد شراب نوش عموماً قے کر دیتے ہیں۔ کھانسی کا اعصابی

ردِّعمل جو حفاظتی نظام کا کام کرتا ہے، اس دوران ناکام ہو جاتا ہے۔ اس لیے قے سے نکلنے والا مواد آسانی سے پھیپھڑوں تک جا پہنچتا ہے اور نمونیا یا پھیپھڑوں کی خرابی کا باعث بنتا ہے۔ بعض اوقات اس کا نتیجہ دم گھٹنے اور موت کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔

۱۷۔ خواتین پر شراب نوشی کے منفی اثرات خصوصی تذکرے کے قابل ہیں۔ مردوں کے مقابلے میں خواتین کو شراب نوشی کی وجہ سے سروسس کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔ دورانِ حمل شراب نوشی سے رحم مادر پر شدید منفی اثرات پڑتے ہیں۔ طب کے پیشے میں ''فیٹل الکوحل سنڈروم'' سے وابستہ خدشات دن بدن بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔

۱۸۔ جلد کی بیماریاں بھی شراب نوشی کی وجہ سے ہو سکتی ہیں۔

۱۹۔ ایگزیما، ایلوپیشیا، ناخنوں کی ساخت کا بگڑنا، پیرونیشیا (ناخنوں کے اطراف کا تعدیہ)، اینگولر اسٹوماٹائٹس (منہ کے جوڑ میں سوزش) وہ عام بیماریاں ہیں جو شراب نوشوں میں پائی جاتی ہیں۔

شراب نوشی ایک ''بیماری'' ہے

طبی ڈاکٹر اب شراب نوشوں کے بارے میں کھل کر اظہارِ خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شراب نوشی کوئی لت، کوئی نشہ نہیں بلکہ ایک بیماری ہے۔

اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن ایک پمفلٹ شائع کر چکی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ شراب ایک بیماری ہے اور یہ وہ واحد بیماری ہے جو:

- بوتلوں میں فروخت کی جاتی ہے۔
- جس کی تشہیر اخبارات، رسائل، ریڈیو اور ٹی وی پر کی جاتی ہے۔
- جسے پھیلانے کے لیے دوکانوں کو لائسنس جاری کیے جاتے ہیں۔
- حکومت کے لیے آمدن کا ذریعہ بنتی ہے۔
- شاہراہوں پر بھیانک اموات کا سبب بنتی ہے۔

- گھریلو زندگی کو تباہ کرتی اور جرائم میں اضافہ کرتی ہے۔
- جس کی وجہ کوئی جرثومہ یا وائرس نہیں۔

شراب نوشی کوئی بیماری بھی نہیں............ یہ تو شیطان کی کاریگری ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و دانائی سے ہمیں اس شیطانی چرخے سے خبر دار کیا ہے۔اسلام ''دینِ فطرت'' کہلاتا ہے، یعنی ایسا دین جو انسانی فطرت کے مطابق ہے۔اس کے تمام احکامات کی غرض و غایت یہ ہے کہ انسان کی فطری حالت کا تحفظ کیا جائے۔شراب نوشی اس فطری حالت سے انحراف ہے، جو کسی فرد کے علاوہ پورے معاشرے میں بگاڑ کی وجہ بن سکتا ہے۔ یہ (شراب) انسان کو اس کے مرتبے سے گرا کر اُسے وحشی جانوروں کی سطح پر لے آتی ہے شراب پینے کی سختی سے ممانعت ہے۔

۱۴۔ گواہوں کی برابری

سوال: کیا وجہ ہے کہ اسلام میں دو عورتوں کی گواہی، ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دی جاتی ہے؟

جواب:

دو عورتوں کی گواہی، ایک مرد کی گواہی کے برابر ہمیشہ قرار نہیں دی جاتی

قرآنِ پاک کی کم از کم تین آیات ایسی ہیں جو گواہوں کا تذکرہ ان کے مرد یا عورت ہونے کی صراحت کیے بغیر کرتی ہیں۔

الف: جب وراثت کی وصیت کرنے کا معاملہ ہو تو دو منصف (اہل) افراد کی بطور گواہ ضرورت ہوتی ہے۔ قرآنِ پاک کی سورۃ المائدہ، آیت: نمبر ۱۰۶ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝ ﴾

[سورۃ المائدہ۔ آیت: ۱۰۶]

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور وہ وصیت کر رہا ہو تو اس کے لیے شہادت کا نصاب یہ ہے کہ تمہاری جماعت میں سے دو صاحب عدل آدمی گواہ بنائے جائیں، یا اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور وہاں موت کی مصیبت پیش آ جائے تو غیر لوگوں ہی میں سے دو گواہ بنائے جائیں۔......“

ب: طلاق کے معاملے میں بھی دو "عادل افراد" کی بات کی گئی ہے:

﴿ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ ﴾ [سورة ۶۵۔آیت:۲]

"پھر جب وہ اپنی (عدت کی) مدت کے خاتمہ پر پہنچیں تو یا انہیں بھلے طریقے سے (اپنے نکاح میں) روک رکھو یا بھلے طریقے پر اُن سے جدا ہو جاؤ اور دو ایسے آدمیوں کو گواہ بنالو جو تم میں سے صاحب عدل ہوں اور (اے گواہ بننے والو!) گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے لیے ادا کرو۔۔۔۔۔۔"

ج: فاحشہ عورتوں کے خلاف الزام کے سلسلے میں چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَّاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ۝ ﴾ [سورة ۲۴۔آیت:۴]

"اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں اُن کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت بھی قبول نہ کرو اور وہ خود ہی فاسق ہیں۔"

پیسے کے لین دین میں دو عورتوں کی گواہی، ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے

یہ سچ نہیں کہ دو گواہ عورتیں ہمیشہ ہی ایک مرد گواہ کے برابر سمجھی جاتی ہیں۔ یہ بات صرف چند معاملات کی حد تک صحیح ہے۔ قرآنِ پاک میں ایسی تقریباً پانچ آیاتِ مبارکہ ہیں جن میں گواہوں کا تذکرہ ان کے مرد یا عورت ہونے کی صراحت کیے بغیر آیا ہے۔ اس کے برعکس، قرآنِ پاک کی صرف ایک آیت ایسی ہے جو یہ بتاتی ہے کہ دو گواہ عورتیں، ایک مرد گواہ کے برابر ہیں۔ یہ سورۃ بقرہ کی ۲۸۲ویں آیت ہے۔ یہ قرآنِ پاک کی طویل ترین آیت بھی ہے جو تجارتی، کاروباری لین دین سے بحث کرتی ہے۔ اس آیت مبارکہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَ لَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى ؕ ﴾

[سورۃ البقرہ۔ آیت:۲۸۲]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب کسی مقررہ مدت کے لیے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ فریقین کے درمیان انصاف کے ساتھ ایک شخص دستاویز تحریر کرے۔ جسے اللہ نے لکھنے پڑھنے کی قابلیت بخشی ہو اسے لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ وہ لکھے اور املا وہ شخص کرائے جس پر حق آتا ہے (یعنی قرض لینے والا) اور اسے اللہ، اپنے رب، سے ڈرنا چاہیے کہ جو معاملہ طے ہوا ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ کرے۔ لیکن اگر قرض لینے والا خود نادان یا ضعیف ہو یا املا نہ کرا سکتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ املا کرائے۔ پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرا لو۔ اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں، تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے......''

دھیان رہے کہ قرآنِ پاک کی یہ آیت صرف اور صرف تجارتی، کاروباری (روپے پیسے کے) لین دین سے متعلق ہے۔ ایسے معاملات میں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ دو فریقین آپس میں تحریری معاہدہ کریں اور دو گواہ بھی ساتھ لیں جو دونوں ترجیحاً مرد ہوں۔ اگر آپ کو دو مرد نہ مل سکیں تو پھر ایک مرد کی اور دو عورتوں کی گواہی سے بھی کام چل جائے گا۔

فرض کیجیے کہ ایک شخص کسی بیماری کے علاج کے لیے آپریشن کروانا چاہتا ہے۔ اس علاج

کی تصدیق کے لیے وہ چاہے گا کہ دو ماہر سرجنوں سے رائے حاصل کر لے۔ بالغرض اگر اسے دوسرجن نہ ملے تو اس کا دوسرا انتخاب ایک سرجن اور دو عام ڈاکٹروں (جنرل پریکٹشنرز) کی رائے ہوگی (جو سادہ ایم بی بی ایس ہوں)۔

اس طرح، مالیاتی لین دین میں بھی دو مردوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اسلام، مرد مسلمانوں سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنے اہلِ خانہ کے کفیل ہوں۔ چونکہ کفالت کے لیے روپیہ پیسہ کمانے کی ذمہ داری مرد کے کاندھوں پر ہے، لہٰذا اسے عورتوں کے مقابلے میں مالیاتی لین دین کے معاملات سے بھی بخوبی واقف ہونا چاہیے۔ دوسرے راستے کے طور پر ایک مرد اور دو عورتوں کو بطور گواہ لیا جا سکتا ہے، تا کہ اگر ان (عورتوں) میں سے کوئی ایک غلطی کرے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ قرآنِ پاک میں عربی لفظ ''تزیل'' استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ''کنفیوز ہو جانا'' یا ''غلطی کرنا'' کے لیے جاتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے اس کا غلط ترجمہ کرتے ہوئے اسے ''بھول جانا'' بنا دیا ہے۔ لہٰذا، مالیاتی لین دین (اسلام میں) ایسی صرف ایک مثال ہے کہ جس میں دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد گواہی کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

قتل کے معاملے میں بھی دو گواہ عورتیں، ایک مرد گواہ کے برابر ہیں

تاہم، بعض علما کی رائے میں عورت کا مخصوص اور فطری رویہ کسی قتل کے معاملے میں بھی گواہی پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ ایسے حالات میں کوئی عورت، مرد کے مقابلے میں زیادہ خوف زدہ ہو سکتی ہے۔ اپنی اسی جذباتی کیفیت کی وجہ سے وہ ابہام (کنفیوژن) کا شکار ہو سکتی ہے۔ لہٰذا، بعض شارحین کے نزدیک قتل کے معاملے میں بھی، دو گواہ عورتیں ایک مرد گواہ کے برابر تصور کی جاتی ہیں۔ دیگر تمام معاملات میں ایک عورت کی گواہی، ایک مرد کی گواہی کے مساوی قرار دی جاتی ہے۔

قرآن واضح طور پر یہ بتاتا ہے کہ ایک گواہ عورت، ایک گواہ مرد کے برابر ہے

بعض علما ایسے بھی ہیں جو یہ اصرار کرتے ہیں کہ دو گواہ عورتوں کے ایک گواہ مرد کے برابر

ہونے کا اصول تمام معاملات پر اطلاق پذیر ہونا چاہیے۔ اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ قرآنِ پاک میں سورۃ نور کی آیت نمبر ٦ میں واضح طور پر ایک گواہ عورت کو ایک گواہ مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

﴿ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنُ الصَّادِقِیْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِیْنَ ○ وَیَدْرَاُ عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِیْنَ ○ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَا اِنْ كَانَ مِنُ الصَّادِقِیْنَ○ ﴾

[سورۃ النور۔ آیات: ٩،٨،٧،٦]

''اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے اپنے سوا دوسرے کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے ایک شخص شہادت (یہ ہے کہ وہ) چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ (اپنے الزام میں) سچا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ (اپنے الزام میں) جھوٹا ہو۔ اور عورت سے سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر شہادت دے کہ یہ شخص (اپنے الزام میں) جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اُس بندی پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر وہ (اپنے الزام میں) سچا ہو۔......''

حدیث کی قبولیت کے لیے حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی تنہا شہادت ہی کافی ہے

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے کم از کم ٢٢٢٠ احادیث مبارکہ مروی ہیں: جنہیں صرف حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی تنہا شہادت ہی کی بنیاد پر مستند تسلیم کیا جاتا ہے۔ (ضروری وضاحت: یہ بات اس صورت میں درست ہے جب کوئی حدیثِ مبارکہ ''حجیت حدیث'' کے اصولوں (یعنی اصول روایت اور اصولِ درایت) پر بھی پوری اُترتی ہو۔ بصورت دیگر وہ حدیث چاہے کیسے ہی جلیل القدر صحابی سے کیوں نہ مروی ہو، لیکن اسے غیر مستند یا

''ضعیف'' احادیث میں شمار کیا جاتا ہے۔مترجم) یہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ ایک عورت کی گواہی بھی قبول کی جاسکتی ہے۔

متعدد علما وفقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رویتِ ہلال (نیا چاند نظر آنے) کے سلسلے میں ایک (مسلمان) عورت کی گواہی بھی کافی ہے۔ ذرا غور فرمایے کہ ایک عورت کی گواہی (بصورتِ رمضان) اسلام کے ایک ستون کے لیے کافی قرار دی جارہی ہے۔ یعنی وہ مبارک مہینہ کہ جس میں مسلمان روزہ رکھتے ہیں۔ گویا آمدِ رمضان جیسے ایک نہایت اہم معاملے مرد عورت اسے قبول کررہے ہیں! اسی طرح بعض فقہا کا کہنا ہے کہ ماہِ رمضان کی ابتدا (رمضان کی رویتِ ہلال) کے لیے ایک گواہ جب کہ اختتام رمضان (شوال، عید الفطر کی رویتِ ہلال) کے لیے دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہاں بھی ان گواہوں کے مرد یا عورت ہونے کی کوئی شرط نہیں ہے۔

بعض معاملات میں عورت کی گواہی کو زیادہ ترجیح دی جاتی ہے

بعض واقعات میں صرف اور صرف عورت ہی کی گواہی درکار ہوتی ہے جب کہ مرد کو بطور گواہ قبول نہیں کیا جاتا۔ مثلاً، عورتوں کے مخصوص مسائل میں، یا کسی خاتون کی میت کو غسل دینے اور کفنانے وغیرہ میں بھی عورت کا گواہ ہونا ضروری ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ مالیاتی لین دین میں عورت اور مرد کی گواہی کے درمیان کے مابین عدم مساوات دینے والا فرق اس وجہ سے نہیں کہ اسلام میں مرد اور عورت کے مابین عدم مساوات ہے۔ اس کے برعکس، یہ فرق صرف ان کی مختلف فطرتوں کی وجہ سے ہے، اور اس وجہ سے بھی کہ اسلام نے معاشرے میں مرد اور عورت کے لیے مختلف ذمہ داریوں کا تعین کیا ہے۔

۱۴۔ وراثت

سوال: اسلامی قانون کے تحت، وراثت کے مال میں عورت کا حصہ مرد کے مقابلے میں آدھا کیوں ہے؟

جواب:

۱۔ قرآنِ پاک میں وراثت کا ذکر:

قرآنِ پاک میں مال (بشمول منقولہ وغیر منقولہ جائیداد) کی حقدار وارثوں کے درمیان تقسیم کے حوالے سے بہت واضح اور تفصیلی رہنمائی کی گئی ہے۔

وراثت کے بارے میں رہنما خطوط، قرآنِ پاک کی درج ذیل آیاتِ مبارک میں بیان کیے گئے ہیں:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَ ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾

[سورۃ البقرہ، آیت: ۱۸۰]

ترجمہ: ”تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تو والدین ور رشتے داروں کے لیے معروف طریقے سے وصیت کرے یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔“

﴿ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

[سورۃ البقرہ، آیت: ۲۴۰]

ترجمہ: ’’تم میں سے جو لوگ وفات پائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں، اُن کو چاہیے کہ اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک ان کو نان نفقہ دیا جائے اور وہ گھر سے نہ نکالی جائیں۔ پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنی ذات کے معاملے میں معروف طریقے سے وہ جو کچھ بھی کریں اس کی کوئی ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ اللہ سب پر غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے۔‘‘

﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ ﴾ [سورۃ النساء، آیت: ۷تا۹]

ترجمہ: ’’مردوں کے لیے اُس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو۔ خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔ اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔ اور جب تقسیم کے موقع پر کنبہ کے لوگ اور یتیم اور مسکین آئیں تو اس مال سے اُن کو بھی کچھ دو اور ان کے ساتھ بھلے مانسوں کی سی بات کرو۔ لوگوں کو اس بات کا خیال کر کے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے تو مرتے وقت انھیں اپنے بچوں کے حق میں کیسے کچھ اندیشے لاحق ہوتے، پس چاہیے کہ وہ خدا کا خوف کریں اور راستی کی بات کریں۔‘‘

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا

وَّيَجۡعَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ۝ ﴾ [سورۃ النساء، آیت:۱۹]

ترجمہ:"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو اور نہ یہ حلال ہے کہ انھیں تنگ کر کے اُس پر مہر کا کچھ حصہ اُڑا لینے کی کوشش کرو جو تم انھیں دے چکے ہو۔ ہاں اگر وہ کسی صریح بدچلنی کی مرتکب ہوں (تو ضرور تمھیں تنگ کرنے کا حق ہے) ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمھیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمھیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔"

﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ عَقَدَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَاٰتُوۡهُمۡ نَصِيۡبَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا ۝ ﴾ [سورۃ النساء، آیت:۳۳]

ترجمہ:"اور ہم نے اُس ترکے کے حق دار مقرر کر دیے ہیں جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑیں۔ اب رہے وہ لوگ جن سے تمھارے عہد و پیمان ہوں تو اُن کا حصہ انھیں دو۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔"

وراثت میں قریبی رشتہ داروں کا مخصوص حصہ

قرآنِ پاک میں دو آیات ایسی ہیں جو بہت جامع انداز سے وراثت میں قریبی رشتہ داروں کے حصے پر روشنی ڈالتی ہیں۔ یہ آیتِ مبارکہ جو سورۃ النساء میں ہیں، اس طرح سے ہیں:

﴿ يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ فَاِنۡ كُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ اٰبَآؤُكُمۡ وَاَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُوۡنَ اَيُّهُمۡ اَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعًا فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ

كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِينَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّورَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَّ لَهٗٓ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصٰى بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ ﴾ [سورۃ النساء، آیت:۱۱تا۱۲]

''تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، اگر (میت کے وارث) دو سے زاید لڑکیاں ہوں تو انھیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔ اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے اور اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حق دار ہوگی (یہ سب حصے اس وقت نکالے جائیں گے) جبکہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کردی جائے اور قرض جو اس پر ہو ادا کردیا جائے۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون بلحاظِ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کردیے ہیں۔ اور اللہ یقیناً سب حقیقتوں سے واقف اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔ اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا۔ اگر وہ بے اولاد ہوں ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کا اک چوتھائی حصہ تمہارا ہے، جبکہ وصیت جو انہوں نے کی ہو پوری کردی جائے اور قرض جو انھوں نے چھوڑا ہو ادا کردیا جائے۔ اور وہ تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی کی حق

دار ہوں گی ، اگر تم بے اولاد ہو ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہوگا۔ بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو پوری کردی جائے اور قرض جو تم نے چھوڑا ہوا ادا کر دیا جائے۔

اور اگر وہ مرد یا عورت (جس کی میراث تقسیم طلب ہے) بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں، مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکے کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے۔ جبکہ وصیت جو کی گئی ہو پوری کردی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہوا ادا کر دیا جائے ، بشرطیکہ وہ ضرر رساں نہ ہو۔ یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ دانا و بینا اور نرم خو ہے۔''

﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ [سورۃ النساء، آیت:۱۷۶]

''اے نبیؐ! لوگ تم سے کلالہ کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہو اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس ترکہ میں سے نصف پائے گی اور اگر بہن بے اولاد مرے تو بھائی اس کا وارث ہوگا، اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو تہائی کی حقدار ہوں گی، اور اگر کوئی بھائی بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکہرا اور مردوں کا دوہرا حصہ ہوگا۔ اللہ تمہارے لیے احکام کی توضیح کرتا ہے، تا کہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

بعض اوقات ورثے میں عورت کا حصہ، اپنے ہم رتبہ مرد سے زیادہ ہوتا ہے

بیشتر واقعات میں ایک عورت کو وراثت میں مرد کی بہ نسبت آدھا حصہ ملتا ہے۔ البتہ،

ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ اگر مرنے والے کا کوئی براہِ راست بزرگ (والدین وغیرہ) یا براہِ راست وارث (بیٹا، بیٹی وغیرہ) نہ ہو لیکن اس کے ایسے سوتیلے بہن بھائی ہوں جو ماں کی طرف سے سگے اور باپ کی طرف سے سوتیلے ہوں، تو ایسے دو بہن بھائی میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا۔

اگر مرنے والے کے بچے نہ ہوں تو اس کے والدین، یعنی ماں اور باپ میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا۔ بعض معاملات میں عورت کو ترکے میں مرد سے دوگنا حصہ ملتا ہے۔ اگر مرنے والی کوئی عورت ہو جس کے بچے نہ ہوں اور اس کا کوئی بھائی یا بہن بھی نہ ہو، جب کہ اس کے لواحقین میں سے اس کا شوہر، ماں اور باپ رہ گئے ہوں تو (ایسی صورت میں) اس عورت کے شوہر کو ترکے کا آدھا حصہ ملے گا، عورت کی ماں کو ایک تہائی جب کہ باپ کو باقی کا چھٹا حصہ ملے گا۔ ملاحظہ فرمایے کہ اس معاملے میں عورت کی ماں کا حصہ، اس کے باپ سے دو گنا ہوگا۔

ترکے میں عورت کا عمومی حصہ اپنے ہم مرتبہ مرد سے آدھا ہوتا ہے

ایک عمومی اصول کے طور پر یہ سچ ہے کہ، بیشتر معاملات میں، عورت کا ترکے میں حصہ مرد کی بہ نسبت آدھا ہوتا ہے۔ مثلاً

۱۔ وراثت میں بیٹی کا حصہ، بیٹے سے آدھا ہوتا ہے۔

۲۔ اگر متوفی بے اولاد ہو تو بیوی کو آٹھواں اور شوہر کو چوتھائی حصہ ملے گا۔

۳۔ اگر متوفی صاحبِ اولاد تھا تو بیوی کو چوتھائی اور شوہر کو آدھا حصہ ملے گا۔

۴۔ اگر متوفی کا کوئی (سگا) بزرگ یا وارث نہ ہو تو اس کی بہن کو (اس کے) بھائی کے مقابلے میں آدھا حصہ ملے گا۔

مرد کو وراثت میں دوگنا حصہ اس لیے ملتا ہے کیونکہ وہ گھرانے کی مالی کفالت کا ذمہ دار ہے:

اسلام میں عورت پر حصولِ معاش کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے جب کہ گھرانے کی مالیاتی

کفالت مرد کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے۔ شادی سے پہلے لڑکی کے رہنے سہنے، آمدورفت، کپڑے لتے، کھانے پینے اور دوسرے تمام مالیاتی امور کی ذمہ داری اس کے باپ یا بھائی (یا بھائیوں) پر عاید ہوتی ہے۔ شادی ہو جانے کے بعد عورت کی یہ تمام ضروریات پوری کرنے کی ذمہ داری اس کے شوہر یا بیٹے (یا بیٹوں) پر لاگو ہوتی ہے۔ اپنے گھرانے کی تمام تر مالی، معاشی ضروریات پوری کرنے کے لیے اسلام نے مرد کو پوری طرح ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ اس ذمہ داری کو نبھانے کی غرض ہی سے اسلام نے وراثت میں مرد کا حصہ عورت سے دوگنا مقرر کیا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ترکے میں ڈیڑھ لاکھ روپے چھوڑتا ہے اور اس کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے، تو اس میں سے پچاس ہزار روپے بیٹی کو، جب کہ ایک لاکھ روپے بیٹے کو ملیں گے۔

بظاہر یہ حصہ زیادہ لگتا ہے، لیکن بیٹے پر گھرانے کی ذمہ داریاں بھی ہیں جنھیں پورا کرنے کے لیے (ممکنہ طور پر) اسے ایک لاکھ میں سے اسی ہزار روپے صرف کرنے پڑ سکتے ہیں۔ یعنی وراثت میں عملاً اس کا حصہ بیس ہزار کے لگ بھگ ہی رہے گا۔ دوسری جانب، اگرچہ لڑکی کو پچاس ہزار روپے ملے ہیں، مگر اس پر اپنے اخراجات خود اُٹھانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ لہٰذا وہ ساری رقم اس کے پاس بچ رہے گی۔ آپ کے خیال میں کیا چیز بہتر ہے۔ ترکے میں ایک لاکھ لے کر ان میں سے اسی ہزار خرچ کر دینا یا پچاس ہزار لے کر وہ ساری کی ساری رقم پس انداز کر لینا؟

۱۵۔کیا قرآنِ پاک، اللہ کا کلام ہے

سوال: آپ یہ کیسے ثابت کریں گے کہ قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے؟

جواب: یہ سوال بجائے خود ایک علیحدہ کتاب کا متقاضی ہے، جس کا جواب ان شاء اللہ آیندہ کسی کتاب میں دیا جائے گا۔[1]

(۱) یہ کتاب ''کیا قرآن کلامِ خداوندی ہے'' دارالنوادر، لاہور کی طرف سے شایع ہو رہی ہے۔

۱۶۔ آخرت، موت کے بعد زندگی

سوال: آپ آخرت یا مرنے کے بعد زندگی کا وجود کیسے ثابت کریں گے؟

جواب:

آخرت پر یقین کی بنیاد اندھے عقیدے پر نہیں

بہت سے لوگ اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ ایک ایسا شخص جو سائنسی اور عقلی مزاج رکھتا ہو، کس طرح موت کے بعد زندگی پر یقین کو قبولیت کا درجہ دے سکتا ہے۔ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آخرت پر کسی شخص کا یقین، اس کے اندھے عقیدے کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔

تاہم، آخرت پر میرا یقین عقلی دلائل کی بنیاد پر ہے۔

آخرت: ایک منطقی عقیدہ

قرآنِ پاک کی ایک ہزار سے زاید آیات ایسی ہیں جن میں سائنسی حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ (اس کے لیے میری کتاب ''قرآن اور جدید سائنس'' ملاحظہ فرمایئے) گزشتہ چند صدیوں کے دوران قرآن پاک میں بیان کردہ بہت سے حقائق دریافت ہو چکے ہیں۔ لیکن سائنس ابھی اتنی ترقی یافتہ نہیں ہو سکی ہے کہ قرآنِ پاک میں بیان کردہ تمام حقائق کی تصدیق کر سکے۔

اب ذرا فرض کیجیے کہ اگر قرآنِ پاک میں بیان کیے گئے اسی فیصد حقائق سو فیصد درست ثابت ہو گئے ہیں۔ باقی کے تقریباً بیس فیصد حقائق کے بارے میں سائنس نے کوئی واضح نتیجہ اخذ نہیں کیا ہے کیونکہ وہ (سائنس) ابھی تک اتنی ترقی یافتہ نہیں ہو سکی ہے کہ قرآن میں بیان کردہ باقی حقائق کو صحیح یا غلط ثابت کر سکے۔ اس محدود علم کے ساتھ، جو ہمارے پاس ہے، ہم پورے وثوق سے یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ اس بیس فیصد حصے کا بھی صرف ایک فیصد حصہ یا کوئی

ایک آیت ہی غلط ہے۔لہٰذا، جب قرآن پاک کا اسی فیصد حصہ (عقلی بنیادوں پر) سو فیصد درست ثابت ہو چکا ہے اور باقی کا بیس فیصد حصہ غلط ثابت نہیں کیا جا سکا، تو منطق یہی کہتی ہے کہ وہ بیس فیصد حصہ بھی درست ہے۔

آخرت کا وجود، جسے قرآن پاک نے بیان کیا ہے، اسی بیس فیصد مبہم حصے میں شامل ہے جو منطق کی رو سے صحیح ہے۔

امن اور انسانی اقدار کا تصور، عقیدہ آخرت کے بغیر بے کار ہے

ڈکیتی اچھا عمل ہے یا برا؟ اس سوال کے جواب میں کوئی بھی نارمل اور متوازن شخص یہی کہے گا کہ یہ برا عمل ہے۔لیکن اس سے بھی اہم سوال یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص جو آخرت پر یقین نہ رکھتا ہو، وہ کسی انتہائی طاقتور اور اثر و سوخ والے مجرم کو کیسے قائل کرے گا کہ ڈاکے ڈالنا ایک برائی، ایک گناہ ہے؟

فرض کیجیے کہ میں دنیا کا سب سے طاقتور اور اثر ورسوخ والا مجرم ہوں۔ساتھ ہی ساتھ میں نہایت ذہین اور منطقی شخص بھی ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ ڈاکے ڈالنا بہت اچھا ہے کیونکہ اس سے مجھے اپنی پر تعیش زندگی گزارنے میں مدد ملتی ہے۔لہٰذا، میرے لیے تو ڈاکہ زنی بہت اچھا عمل ہے۔

اگر کوئی میرے سامنے اس بات کے حق میں ایک منطقی دلیل بھی پیش کر دے (جو میرے لیے بھی یکساں طور پر قابل قبول ہو) کہ ڈاکہ مارنا برا ہے۔تو میں فوراً یہ کام چھوڑ دوں گا۔اس کے جواب میں لوگ عموماً درج ذیل دلائل دیتے ہیں:

الف۔لٹنے والے شخص کو مشکلات کا سامنا ہوگا

بعض لوگ یہ دلیل دے سکتے ہیں کہ لٹنے والے شخص کو مشکلات کا سامنا ہوگا۔یقیناً، میں اس بات سے اتفاق کروں گا کہ لٹنے والے فرد کے حق میں ڈاکہ زنی کا عمل بہت برا ہے۔لیکن میرے لیے تو بہر حال یہ اچھا ہے۔اگر میں ہزار ڈالر کی ڈکیتی ماروں تو میں کسی فائیو سٹار ہوٹل میں مزے سے کھانا کھا سکتا ہوں۔

ب: کوئی دوسرا آپ کو بھی لوٹ سکتا ہے

کچھ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی دن کوئی دوسرا ڈاکو آپ کو بھی لوٹ سکتا ہے۔لیکن میں تو خود بہت اثر ورسوخ والا مجرم ہوں اور میرے سیکڑوں باڈی گارڈ ہیں۔تو پھر بھلا کوئی دوسرا مجھے کیسے لوٹ سکتا ہے؟ یعنی میں تو دوسروں کو لوٹ سکتا ہوں مگر مجھے کوئی نہیں لوٹ سکتا۔ڈاکہ زنی ایک عام آدمی کے لیے تو پر خطر پیشہ ہو سکتا ہے مگر مجھ جیسے طاقتور اور بااثر شخص کے لیے نہیں۔

ج۔ پولیس آپ کو گرفتار کر سکتی ہے

ایک دلیل یہ بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ کسی نہ کسی دن آپ کو پولیس گرفتار کرلے گی۔ ارے بھئی پولیس تو مجھے گرفتار ہی نہیں کر سکتی! پولیس کے چھوٹے بڑے افسران سے لے کر حکومتی وزرا تک میرے پے رول پر ہیں۔میرے نمک خوار ہیں۔میں مانتا ہوں کہ اگر کوئی عام آدمی ڈاکہ ڈالے تو وہ گرفتار کرلیا جائے گا اور ڈاکہ زنی اس کے لیے بری ثابت ہوگی۔لیکن میں تو غیر معمولی طور پر بااثر اور طاقتور مجرم ہوں۔

مجھے کوئی ایک منطقی دلیل دیجیے کہ یہ عمل برا ہے اور میں ڈاکہ زنی چھوڑ دوں گا۔

د۔ یہ بغیر محنت کے کمائی گئی آمدنی ہے

ایک اور دلیل یہ بھی آسکتی ہے کہ یہ بغیر محنت کے یا کم محنت سے کمائی گئی آمدنی ہے جس کے حصول کے لیے بہت مشقت نہیں کی گئی ہے۔میں مانتا ہوں کہ ڈاکہ زنی کی کمائی میں کچھ خاص محنت کیے بغیر اچھی خاصی رقم ہاتھ لگتی ہے۔اور یہی تو میرے ڈاکے ڈالنے کی بڑی وجہ بھی ہے۔اگر کسی شخص کے سامنے زیادہ پیسہ کمانے کا آسان اور باسہولت راستہ ہو اور وہ راہ بھی ہو کہ جس سے پیسہ کمانے میں اسے بہت زیادہ محنت کرنا پڑے،تو منطقی ذہن رکھنے والا کوئی بھی شخص آسان راستے ہی کا انتخاب کرے گا۔

ہ۔ یہ انسانیت کے خلاف ہے

بعض لوگ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکہ زنی انسانیت کے خلاف ہے، اور یہ کہ ایک شخص کو دوسرے انسانوں کا خیال کرنا چاہیے۔اس کا رد کرتے ہوئے میں یہ سوال کروں گا کہ ''انسانیت''

کہلانے والا یہ قانون کس نے لکھا ہے اور میں اس کی پاسداری کس خوشی میں کروں؟

یہ قانون کسی جذباتی اور حساس قسم کے انسان کے لیے تو اچھا ہو سکتا ہے لیکن میں منطقی انسان ہوں اور مجھے دوسرے انسانوں کی پروا کرنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

ف۔ یہ خودغرضانہ عمل ہے

کچھ لوگ ڈاکہ زنی کو خودغرضانہ عمل بھی قرار دے سکتے ہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ ڈاکہ زنی ایک خودغرضانہ عمل ہے لیکن میں خودغرض کیوں نہ بنوں؟ اسی سے تو مجھے زندگی کے مزے اُڑانے میں مدد ملتی ہے۔

ڈاکہ زنی کو برا عمل ثابت کرنے کے لیے کوئی منطقی دلیل نہیں

لہٰذا، ڈاکہ زنی کو برا عمل ثابت کرنے کی غرض سے دیے گئے تمام عقلی دلائل بے سود رہتے ہیں۔ ان دلائل سے ایک عام اور کمزور انسان کو تو قائل کیا جا سکتا ہے مگر مجھ جیسے طاقتور اور بااثر شخص کو نہیں۔ ان میں سے کسی ایک دلیل کا دفاع بھی عقل اور منطق کی طاقت پر نہیں کیا جا سکتا۔

لہٰذا، اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ دنیا میں بہت جرائم پیشہ افراد پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح دھوکہ دہی اور زنا جیسے جرائم، مجھ سے کسی شخص کے لیے اچھے ہونے کا جواز پا سکتے ہیں اور کوئی منطقی دلیل مجھے ان کے بُرا ہونے پر قائل نہیں کر سکتی۔

ایک مسلمان کسی طاقتور اور بااثر مجرم کو قائل کر سکتا ہے

چلیے، اب ہم جگہیں بدل لیتے ہیں۔ فرض کیجیے کہ آپ دنیا کے طاقتور ترین اور بااثر مجرم ہیں جس کے پے رول پر پولیس کے سپاہی سے لے کر وزرا تک، سب موجود ہیں۔ آپ کے پاس اپنی حفاظت کے لیے ٹھگوں کی ایک پوری فوج ظفر موج ہے۔ میں ایک مسلمان ہوں جو آپ کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ عصمت دری، ڈاکہ زنی اور دھوکہ دہی وغیرہ برے اعمال ہیں۔

اگر میں وہی تمام دلائل (جو پہلے دیے جا چکے ہیں) ڈاکہ زنی کو برا ثابت کرنے کے لیے پیش کروں تو مجرم بھی اسی انداز سے جواب دے گا جیسے اس نے پہلے کیا تھا۔

میں مانتا ہوں کہ مجرم ذہین ہے اور منطقی سوچ رکھتا ہے، اور اس کے تمام دلائل صرف اسی وقت صحیح ہوں گے جب وہ دنیا کا سب سے طاقتور اور بااثر مجرم ہو۔

ہر انسان انصاف چاہتا ہے

ہر ایک انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے انصاف ملے۔حتیٰ کہ اگر وہ دوسروں کے لیے انصاف کا خواہش مند نہ بھی ہو تب بھی وہ اپنے لیے انصاف چاہتا ہے۔ بعض لوگ طاقت اور اثر و رسوخ کے نشے میں اس قدر بدمست ہوتے ہیں کہ دوسروں پر صعوبتیں اور تکالیف مسلط کرتے رہتے ہیں۔لیکن یہی لوگ اس وقت شدید اعتراض کرتے ہیں کہ جب خود ان کے ساتھ کوئی ناانصافی کی جائے۔ان کے دوسرے لوگوں کی تکالیف اور صعوبتوں کی طرف سے بے حس ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ طاقت اور اثر و رسوخ کی پوجا کرتے ہیں۔وہ محسوس کرتے ہیں یہ طاقت اور اثر و رسوخ ہی ہے جو نہ صرف انہیں دوسروں کے ساتھ ناانصافی کرنے کے قابل بناتا ہے بلکہ دوسروں کو ان کے ساتھ ویسا ہی کرنے سے باز بھی رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ طاقتور اور انصاف کرنے والا ہے

ایک مسلمان کی حیثیت سے میں اس مجرم کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے وجود پر قائل کروں گا۔(اس بارے میں دلائل علیحدہ ہیں۔) اللہ تعالیٰ آپ سے بھی کہیں زیادہ طاقتور ہے اور ساتھ ہی ساتھ، وہ منصف ترین بھی ہے۔قرآنِ پاک میں آتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ﴾ [سورۃ ۴، آیت: ۴۰]

''اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ اسے دو چند کرتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ مجھے سزا کیوں نہیں دیتا؟

اور منطقی اور سائنسی شخص ہونے کے ناطے، جب اس کے سامنے قرآن پاک سے دلائل

پیش کیے جاتے ہیں تو وہ انہیں تسلیم کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کر لیتا ہے۔ وہ سوال کر سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سب سے طاقتور اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے، تو پھر وہ اسے سزا کیوں نہیں دیتا؟

ناانصافی کرنے والوں کو سزا ملنی چاہیے

ہر وہ شخص، جس کے ساتھ ناانصافی کی گئی ہو، یقیناً یہ چاہے گا کہ ناانصافی کے مرتکب کو، اس کے مال و دولت اور معاشرتی مرتبے کا لحاظ کیے بغیر، سزا ملنی چاہیے۔ ہر نارمل انسان یہ چاہے گا کہ ڈاکو بدکار کو سبق سکھایا جائے۔ اگرچہ بہت سارے مجرموں کو سزا مل جاتی ہے لیکن پھر بھی ان کی ایک بڑی تعداد قانون سے بچنے میں کامیاب رہتی ہے۔ یہ لوگ بڑی پر لطف اور پر تعیش زندگی گزارتے ہیں، اور بسا اوقات بڑے اطمینان سے رہتے ہیں۔ اگر کسی طاقتور اور با اثر شخص کے ساتھ اس سے بھی زیادہ با اثر اور طاقتور شخص ناانصافی کرے تو وہ بھی یہی چاہے گا کہ اس زیادہ طاقتور اور زیادہ با اثر شخص کو (جس نے ناانصافی کا ارتکاب کیا ہے) سزا دی جائے۔

یہ زندگی آخرت کی امتحان گاہ ہے

دنیا کی یہ زندگی، آخرت کے لیے امتحان ہے۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَّھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝ ﴾ [سورۃ ۶۷، آیت: ۲]

ترجمہ: ”جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔“

قیامت کے روز مکمل اور حتمی انصاف ہوگا

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ

اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝﴾ [سورۃ ۳، آیت: ۱۸۵]

ترجمہ: ''آخرکار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے اپنے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو۔ کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتشِ دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ رہی یہ دنیا، تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے۔''

حتمی انصاف، قیامت کے روز کیا جائے گا۔ مرنے کے بعد ہر شخص کو یوم حساب (روزِ قیامت) ایک بار پھر، دوسرے تمام انسانوں کے ساتھ زندہ کیا جائے گا۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص اپنی سزا کا کچھ حصہ اس دنیا ہی میں بھگت لے۔ لیکن سزا اور جزا کا آخری اور حتمی معاملہ تو آخرت ہی میں کیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی لٹیرے یا بدکار کو اس دنیا میں سزا نہ دے، لیکن اسے روزِ محشر میں اپنے ایک ایک عمل کا، ایک ایک گناہ کا حساب چکانا ہوگا اور وہ آخرت میں، موت کے بعد کی زندگی میں، اپنے ایک ایک جرم کی سزا پائے گا۔

انسانی قانون ہٹلر کو کیا سزا دے سکتا ہے؟

جنگ عظیم کے دوران ہٹلر نے لگ بھگ ساٹھ لاکھ یہودیوں کو زندہ جلوایا تھا۔ بالفرض، اگر پولیس اسے گرفتار بھی کر لیتی، تو قانون کی پاسداری کرتے ہوئے (انسانی قانون کے مطابق) عدالت اسے زیادہ سے زیادہ کیا سزا دے سکتی تھی؟ بہت سے بہت یہی ہوتا کہ اسے بھی کسی گیس چیمبر میں بند کر کے ہلاک کر دیا جاتا۔ لیکن یہ تو صرف ایک بے گناہ یہودی کو قتل کرنے کی سزا ہوتی ہے۔ باقی کے ۵۹ لاکھ ۹۹ ہزار ۹ سو ۹۹ یہودیوں کے قتل کی سزا اسے کس طرح دی جا سکتی تھی؟ اسے صرف ایک بار ہی (عملاً) سزائے موت دی جا سکتی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ ہٹلر کو جہنم کی آگ میں ۶۰ لاکھ سے بھی زیادہ مرتبہ جلا دے

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ﴾ [سورة ۴، آیت:۵۶]

''جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کردیا ہے۔ انھیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کردیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں گے اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور اپنے فیصلوں کو عمل میں لانے کی حکمت خوب جانتا ہے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ چاہے تو ہٹلر کو جہنم کی آگ میں محض ۶۰ لاکھ مرتبہ نہیں، بلکہ لاتعداد بار جلا سکتا ہے۔

تصورِ آخرت کے بغیر انسانی اقدار یا اچھائی اور برائی کا کوئی تصور نہیں

یہ واضح ہے کہ کسی شخص کو تصورِ آخرت، یا موت کے بعد زندگی کے یقین پر قائل کیے بغیر اسے انسانی اقدار یا نیک و بد اعمال کے تصور پر قائل کرنا بھی ممکن نہیں۔ خصوصاً جب ان طاقتور اور بااختیار لوگوں کا معاملہ درپیش ہو جو ناانصافی میں پڑے ہوں۔

۱۷۔کیاوجہ ہے کہ مسلمان مختلف فرقوں، مکاتبِ فکر میں تقسیم ہیں؟

سوال: جب سارے مسلمان ایک اور یکساں قرآن کی پیروی کرتے ہیں تو پھر مسلمانوں میں اتنے زیادہ فرقے یا مکاتبِ فکر کیوں ہیں؟

جواب:

مسلمانوں کو متحد ہونا چاہیے

یہ سچ ہے کہ آج کے مسلمان آپس میں ہی تقسیم ہیں۔ المیہ ہے کہ ان تفرقات کی اسلام میں ہرگز کوئی اجازت نہیں ہے۔ دینِ اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ اپنے ماننے والوں میں اتحاد و یگانگت کو برقرار رکھا جائے۔

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾ [سورۃ ۳، آیت: ۱۰۳]

''سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔''

وہ کون سی رسی ہے جس کی طرف اس آیت مبارک میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے، قرآنِ پاک ہی وہ رسی ہے۔ قرآن پاک ہی اللہ کی وہ رسی ہے جسے سارے مسلمانوں کو مضبوطی سے تھامے رکھنا چاہئے۔ اس آیتِ مبارکہ میں بھی دہرا اصرار ہے۔ ایک طرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی رسی کو ''مضبوطی سے تھامے رکھو۔'' تو دوسری طرف یہ ہدایت بھی ہے ''تفرقے میں نہ پڑو۔''

قرآنِ پاک میں مزید ارشاد ہوتا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ ﴾

[سورۃ ۴، آیت: ۵۹]

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریقہ کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔"

تمام مسلمانوں کو قرآن پاک اور مستند احادیث ہی کی پیروی کرنی چاہیے اور آپس میں تفرقہ ڈالنا نہیں چاہیے۔

اسلام میں فرقوں اور تقسیم کی ممانعت ہے

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْھُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُھُمْ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ یُنَبِّئُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾ [سورۃ ۶، آیت:۱۵۹]

"جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے اور وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان لوگوں سے الگ رہنے کا حکم دیا ہے جو دین میں تقسیم ڈالتے ہوں اور اسے فرقوں میں بانٹتے ہوں۔

لیکن آج جب کسی مسلمان سے سوال کیا جائے "تم کون ہو؟ تو عموماً کچھ ایسے جوابات ملتے ہیں: میں سنی ہوں، میں شیعہ ہوں وغیرہ، بعض لوگ خود کو حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی بھی کہتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں "میں دیوبندی ہوں"

ہمارے نزدیک نبی ﷺ مسلم تھے

ایسے مسلمانوں سے کوئی یہ پوچھے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کون تھے؟ کیا وہ حنفی یا شافعی تھے؟ کیا وہ مالکی یا حنبلی تھے؟ نہیں! وہ مسلمان تھے، دوسرے تمام انبیائے کرام اور

رسولوں کی طرح کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلے مبعوث فرمایا تھا۔

قرآنِ پاک کی سورۃ ۳، آیت : ۵۲ میں واضح کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مسلمان (مسلم) ہی تھے۔ اسی سورہ مبارکہ کی ۶۷ ویں آیت میں قرآنِ پاک بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کوئی یہودی یا عیسائی نہیں تھے، بلکہ وہ ''مسلم'' تھے۔

قرآنِ پاک ہمیں خود کو ''مسلم'' کہنے کا حکم دیتا ہے

الف۔ اگر کوئی بھی شخص ایک مسلمان سے سوال کرے کہ وہ کون ہے تو اسے جواباً یہ کہنا چاہیے کہ وہ مسلمان ہے...... حنفی یا شافعی نہیں۔ سورۃ حم السجدۃ کی ۳۳ ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ٥ ﴾ [سورۃ ۴۱۔ آیت: ۳۳]

''اور اس شخص سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔''

ملاحظہ ہو یہاں قرآنِ پاک فرما رہا ہے ''کہو، میں ان میں سے ہوں جو اسلام میں جھکتے ہیں۔'' بالفاظِ دیگر، کہو: ''میں ایک مسلم ہوں۔''

ب۔ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) جب غیر مسلم بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے خطوط لکھواتے تھے، تو ان خطوط میں سورۃ آل عمران کی ۶۴ ویں آیت بھی شامل کرواتے تھے:

﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ٥ ﴾

[سورۃ آل عمران، آیت: ۶۴]

''اے نبیؐ! کہو اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنا لے۔

اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی واطاعت کرنے والے) ہیں۔"

اسلام کے تمام عظیم علما کا احترام کیجیے

ہمیں اسلام کے تمام عظیم علما کا، بشمول چاروں اماموں کے، لازماً احترام کرنا چاہیے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام حنبل رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ، یہ سبھی ہمارے لیے یکساں طور پر واجب الاحترام ہیں۔ یہ سب کے سب عظیم علما و محققین تھے اور اللہ تعالیٰ انہیں ان کی تحقیق اور دین کی انتھک محنت پر اجر عظیم عطا فرمائے (آمین)۔ اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ اگر کوئی شخص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی تحقیق اور نقطہ نظر سے متفق ہو۔ لیکن جب یہ سوال کیا جائے "تم کون ہو؟" تو جواب صرف اور صرف "میں مسلمان ہوں" ہونا چاہیے۔

بعض لوگ (فرقوں کی) دلیل میں حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں جو سنن ابوداود میں (حدیث نمبر ۴۵۷۹) روایت کی گئی ہے۔ اس حدیث میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے: "میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔"

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسلمانوں میں ۷۳ فرقے بننے کی پیش گوئی فرما دی تھی۔ لیکن حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ مسلمانوں کو فرقوں میں بٹنے کے لیے سرگرم ہو جانا چاہیے۔ قرآنِ پاک ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم فرقوں میں تقسیم نہ ہوں۔ وہ لوگ جو قرآن پاک اور مستند احادیث کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں اور فرقے نہ بنائیں، وہی لوگ صحیح راستے پر ہیں۔

ترمذی شریف میں مروی ۱۷۱ ویں حدیث میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قول مروی ہے: "میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور وہ سب کے سب جہنم کی آگ میں جلیں گے، سوائے ایک فرقے کے۔"

صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) نے اس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا کہ وہ کون سا گروہ ہوگا (جو جنت میں جائے گا)، تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جواب دیا "صرف وہ جو

میری اور میرے اصحاب کی اتباع کرے گا۔"

قرآن پاک کی متعدد آیات میں "اللہ کی، اور اللہ کے رسول ﷺ کے اتباع کرو" کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا ایک سچے مسلمان کو صرف قرآنِ پاک اور مستند احادیث ہی کی پیروی (اتباع) کرنی چاہیے۔ وہ کسی عالم کے نقطہ نظر سے اتفاق بھی رکھ سکتا ہے، جب تک کہ وہ قرآنِ پاک اور احادیث صحیحہ (مستند احادیث) کی تعلیمات سے مطابقت میں رہیں۔ اگر (اس عالم کے) یہ خیالات (نقطہ نظر) اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ (ﷺ) کی سنت کے خلاف ہوں تو ان میں کوئی وزن نہیں...... چاہے انہیں کتنے ہی بڑے اور جید عالم نے کیوں نہ پیش کیا ہو۔

اگر تمام مسلمان، قرآنِ پاک کا مطالعہ سمجھ کر ہی کرلیں اور مستند احادیث کی اتباع کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ یہ تمام اختلافات حل ہو جائیں گے اور ہم ایک بار پھر صحیح معنوں میں ایک متحدہ اُمتِ مسلمہ بن جائیں گے۔

۱۸۔تمام مذاہب ہی انسانوں کو راست بازی کی تعلیم دیتے ہیں تو پھر صرف اسلام ہی کی اتباع کیوں کی جائے؟

سوال: تمام مذاہب بنیادی طور پر اپنے پیروکاروں کو اچھے کام کرنے کی تعلیم دیتے ہیں۔تو پھر کسی شخص کو صرف اسلام ہی کی پیروی کیوں کرنی چاہیے؟ کیا وہ کسی بھی، دوسرے مذہب کی پیروی نہیں کرسکتا؟

جواب:

اسلام اور دوسرے بیشتر مذاہب میں اہم فرق

یہ صحیح ہے کہ تمام مذاہب ہی انسانیت کو راست بازی اور نیکی کی تلقین کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔لیکن اسلام اس سے بھی آگے تک جاتا ہے۔یہ نیکی و راست بازی کے حصول اور ہماری انفرادی و اجتماعی زندگیوں سے برائی ختم کرنے کے عملی طریقوں کی جانب ہماری رہنمائی بھی کرتا ہے۔اسلام نہ صرف انسانی فطرت کو اہمیت دیتا ہے، بلکہ یہ انسانی معاشرے کی پیچیدگیوں کی طرف بھی متوجہ رہتا ہے۔اسلام ایک ایسی ہدایت ہے جو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلام کو انسان کے لیے "دینِ فطرت" بھی کہا جاتا ہے۔

مثال: اسلام صرف چوری چکاری رڈاکہ زنی کو روکنے کا حکم ہی نہیں دیتا، بلکہ اسے ختم کرنے کے عملی طریقے کی وضاحت بھی کرتا ہے:

الف:......اسلام چوری چکاری رڈاکہ زنی ختم کرنے کے عملی طریقے کی وضاحت کرتا ہے:

تمام بڑے مذاہب میں چوری چکاری رڈاکہ زنی کو برائی قرار دیا جاتا ہے۔اسلام بھی ہمیں یہی تعلیم دیتا ہے۔تو پھر دیگر مذاہب اور اسلام کی تعلیمات میں کیا فرق ہوا؟ فرق اس

حقیقت میں موجود ہے کہ اسلام صرف چوری چکاری کو برا کہنے پر ہی اکتفا نہیں کرتا، بلکہ وہ عملی طریقہ بھی بتاتا ہے کہ جس پر چل کر ایسا معاشرتی ڈھانچہ تخلیق کیا جائے کہ جس میں لوگ چوری چکاری/ڈاکہ زنی نہ کریں۔

ب:......اسلام میں زکوٰۃ کی وضاحت ہے:

اسلام نے زکوٰۃ دینے کا ایک واضح نظام بیان فرمایا ہے۔ اسلامی قانون کے مطابق ہر وہ شخص کہ جس کے پاس بچت کی مالیت ''نصاب'' (یعنی ۸۵ گرام سونا یا اتنی مالیت کے اثاثے) کے برابر یا زیادہ ہو، اسے ہر قمری سال میں اپنی اس بچت کا ڈھائی فیصد (۲.۵ فیصد) حصہ مستحقین کو دینا چاہیے۔ اگر دنیا کا ہر امیر شخص ایمانداری سے زکوٰۃ دینے لگ جائے تو ساری دنیا سے غربت ختم ہو جائے گی۔ کوئی ایک انسان بھی فاقے سے نہیں مرے گا۔

ج:......چوری/ڈاکے کی سزا میں ہاتھ کاٹنا:

اسلام میں یہ وضاحت بھی ہے کہ اگر کسی کے خلاف چوری/ڈاکے کا جرم ثابت ہو جائے تو اس کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں گے۔ قرآنِ پاک نے سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ [سورۃ المائدہ، آیت: ۳۸]

''اور چور خواہ عورت ہو یا مرد دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا، اللہ کی قدرت سب پر غالب ہے اور وہ دانا و بینا ہے۔''

غیر مسلم کہتے ہیں ''اکیسویں صدی میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ! اسلام تو بے رحمی اور سفاکی کا مذہب ہے!''

د:......نتائج تبھی ملتے ہیں جب اسلامی شریعت نافذ کی جائے:

امریکہ کو دنیا کا سب سے ترقی یافتہ ملک تصور کیا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے یہی وہ ملک بھی ہے جہاں چوری اور ڈاکہ زنی وغیرہ جیسے جرائم کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ اب ذرا

فرض کیجیے کہ امریکہ میں اسلامی شریعت نافذ کر دی جاتی ہے، یعنی یہ کہ ہر امیر آدمی جو صاحبِ نصاب ہو، پابندی سے اپنے مال سے ۲.۵ فیصد زکوٰۃ ادا کرے (قمری سال کے مطابق) اور چوری/ڈکیتی کا جرم ثابت ہو جانے پر مجرم کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔ کیا ایسی صورت میں امریکہ میں چوری/ڈکیتی کی شرح میں اضافہ ہوگا، کمی ہوگی یا کوئی فرق نہیں پڑے گا؟ فطری سی بات ہے کہ اس میں کمی واقع ہوگی۔ پھر یہ بھی ہے کہ ایسے سخت قانون کی موجودگی میں وہ لوگ بھی اس جرم سے باز رہیں گے جو مجرمانہ ذہن رکھتے ہوں۔

میں مانتا ہوں کہ آج دنیا میں چوری/ڈکیتی کی اتنی زیادہ وارداتیں ہو رہی ہیں کہ اگر تمام چوروں کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں تو ایسے لاکھوں لوگ ہوں گے جن کے ہاتھ کٹیں گے۔ تاہم، یہاں توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ جس لمحے آپ یہ قانون نافذ کریں گے، اس کے ساتھ ہی چوری/ڈکیتی کی شرح میں کمی آ جائے گی۔ ڈکیتی/چوری کا ارادہ کرنے والا کوئی شخص، یہ کام کرنے سے پہلے کئی دفعہ سوچے گا کیونکہ اسے اپنے ہاتھ گنوانے کا خطرہ بھی ہوگا۔ محض سزا کا تصور ہی اکثر ڈاکوؤں/چوروں کی حوصلہ شکنی کرے گا۔ ایسے میں بہت ہی کم لوگ ہوں گے جو چوری/ڈکیتی کی ہمت کر پائیں گے۔ لہٰذا، صرف چند لوگوں کے ہاتھ کاٹے جانے سے لاکھوں کروڑوں لوگ ڈکیتی/چوری کے خوف سے بے نیاز ہو کر، امن اور چین کی زندگی گزار سکیں گے۔

لہٰذا اسلامی شریعت عملی ہے اور اس سے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

مثال: اسلام میں خواتین کی بے حرمتی اور عصمت دری حرام ہے، اسلام میں (عورتوں کے لیے) حجاب کا حکم ہے اور زنا کا جرم ثابت ہو جانے پر زانی کے لیے سزائے موت ہے:

الف:...... اسلام میں عورتوں کے ساتھ دست درازی اور عصمت دری روکنے کا عملی طریقہ واضح کیا گیا ہے:

تمام بڑے مذاہب میں عورت کی عصمت دری اور اس سے دست درازی کو ایک گھناؤنے گناہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسلام کی تعلیمات بھی یہی ہیں۔ تو پھر اسلام اور دیگر مذاہب کی تعلیمات میں کیا فرق ہے؟ یہ فرق اس حقیقت میں ہے کہ اسلام صرف عورت کے احترام کی تلقین ہی پر اکتفا نہیں کرتا، یا دست درازی اور عصمت دری کو گھناؤنا جرم قرار دے کر خاموش نہیں ہو جاتا، بلکہ ساتھ ہی ساتھ واضح رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے کہ معاشرے کو ان جرائم سے کس طرح پاک کیا جائے۔

ب:......مردوں کے لیے حجاب:

اسلام میں حجاب کا نظام ہے۔ قرآن پاک میں پہلے مرد کے لیے حجاب کا تذکرہ ہے اور پھر عورتوں کے حجاب پر بات کی گئی ہے۔ مردوں کے لیے حجاب درج ذیل آیت مبارکہ میں مذکورہ ہے:

﴿ قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾ [سورۃ:۲۴، آیت:۳۰]

''اے نبیؐ! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔''

جس لمحے کسی مرد کی نگاہ (نامحرم) عورت پر پڑے اور کوئی غلط سوچ یا بے حیائی کا خیال اس کے ذہن میں آئے، تو اسے فوراً اپنی نگاہ نیچی کر لینی چاہیے۔

ج:......عورتوں کے لیے حجاب:

عورتوں کے لیے حجاب کا تذکرہ درج ذیل آیت مبارکہ میں ہے:

﴿ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ﴾ [سورۃ:۲۴، آیت:۳۱]

"اے نبیؐ! مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں
کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے
اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں آنچل ڈالے رہیں۔" ......

عورت کے لیے حجاب کی وضاحت یہ ہے کہ اس کا جسم مکمل طور پر ڈھکا ہونا چاہیے۔ صرف اس کا چہرہ اور ہاتھ (کلائیوں تک) وہ حصے ہیں جو ظاہر کیے جا سکتے ہیں۔ تاہم اگر کوئی خاتون انہیں بھی چھپانا چاہیں تو وہ ان جسمانی حصوں پر بھی حجاب کر سکتی ہیں۔ البتہ بعض علمائے دین کا اصرار ہے کہ چہرہ بھی ڈھکا ہونا چاہیے۔

د:......دست درازی سے تحفظ، حجاب:

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لیے حجاب کا حکم کیوں دیا ہے؟ اس کا جواب قرآنِ پاک نے سورۃ الاحزاب کی درج ذیل آیتِ مبارکہ میں فراہم کیا ہے:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ [سورۃ الاحزاب۔ آیت:۵۹]

"اے نبیؐ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر
اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی
جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔"

قرآنِ پاک فرماتا ہے کہ عورتوں کا حجاب کرنا اس لیے ضروری ہے تاکہ وہ باعزت اور پروقار حیثیت سے پہچانی جا سکیں۔ اور یہ کہ حجاب انہیں دست درازی سے بھی بچاتا ہے۔

ھ:......جڑواں بہنوں کی مثال:

فرض کیجیے کہ دو جڑواں بہنیں ہیں جو یکساں طور پر خوبصورت بھی ہیں۔ ایک روز وہ دونوں ایک ساتھ گھر سے نکلتی ہیں۔ ایک بہن نے اسلامی حجاب کر رکھا ہے، یعنی اس کا پورا جسم ڈھکا ہوا ہے۔ اس کے برعکس دوسری بہن نے مغربی طرز کا منی اسکرٹ پہنا ہوا ہے، یعنی اس

کے جسم کا خاصہ حصہ نمایاں ہے۔گلی کے نکڑ پر ایک لفنگا بیٹھا ہے جو اس انتظار میں ہے کہ کوئی لڑکی وہاں سے گزرے اور اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ یا دست درازی کرے۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ دونوں بہنیں وہاں پہنچیں گی تو وہ لفنگا ان میں سے کس کو چھیڑے گا؟ اسلامی حجاب والی لڑکی کو، یا منی اسکرٹ پہننے والی لڑکی کو؟ وہ لباس جو جسم کو چھپانے سے زیادہ نمایاں کریں، جنسِ مخالف کے لیے ایک طرح سے اس امر کی دعوت ہوتے ہیں کہ وہ چھیڑ چھاڑ دست درازی اور عصمت دری کریں۔قرآنِ پاک نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ حجاب عورت کو دست درازی سے بچاتا ہے۔

ف:......زانی کے لیے سزائے موت:

اگر کسی (شادی شدہ) فرد کے خلاف زنا کا جرم ثابت ہو جائے تو اسلامی شریعت کی رُو سے اس کے لیے سزائے موت ہے۔آج کے دور میں اتنی سخت سزا دینے پر غیر مسلم شاید بری طرح خوفزدہ ہو جائیں۔ بہت سے لوگ اسلام پر بے رحمی اور سفاکی کا الزام لگاتے ہیں۔ میں نے سیکڑوں غیر مسلم مردوں سے ایک عام سا سوال کیا۔ میں نے پوچھا: فرض کیجیے کہ، خدانخواستہ کوئی آپ کی بیوی، بہن یا ماں کی عصمت دری کرے اور آپ کو (اس مجرم کو سزا دینے کے لیے) جج مقرر کیا جائے، زانی کو آپ کے سامنے لایا جائے، آپ اسے کیا سزا دیں گے؟ اُن سب نے جواب دیا: ''ہم اسے سزائے موت دیں گے'' بعض لوگ تو انتہا پر چلے گئے اور کہنے لگے: ''ہم اس پر اتنا تشدد کریں گے کہ وہ مر جائے'' یعنی اگر آپ کی بیوی یا ماں کی عصمت دری ہو تو آپ اُس زانی کو مار ڈالنا چاہتے ہیں، لیکن اگر کسی دوسرے کی ماں، بہن یا بیوی کی عزت لوٹی گئی ہو تو سزائے موت وحشیانہ قانون ہوگئی۔ یہ دوہرا معیار کیوں ہے؟

ق:......امریکہ میں عصمت دری کی شرح سب سے زیادہ ہے:

اب میں ایک بار پھر دنیا کے سب سے ترقی یافتہ ملک، امریکہ کی مثال لوں گا۔ ایف بی آئی کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۵ء کے دوران امریکہ میں عصمت دری کے ۱۰۲.۵۵ (ایک لاکھ دو ہزار پچپن) واقعات درج ہوئے۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عصمت دری کی تمام

وارداتوں مین سے صرف ۱۶ فیصد ہی کی رپورٹیں درج کرائی گئیں۔ لہٰذا ۱۹۹۵ء کے دوران امریکہ میں عصمت دری کی وارداتوں کی اصل تعداد جاننے کے لیے ہمیں رپورٹ کی گئی تعداد ۶.۲۵ سے ضرب دینا ہوگا۔ اس طرح ہمیں ۶۴۰،۹۶۸ (چھ لاکھ چالیس ہزار نو سو اڑسٹھ) کی مجموعی تعداد ملتی ہے۔ یعنی ۱۹۹۵ء کے دوران امریکہ میں عصمت دری کی ۶۴۰،۹۶۸ وارداتیں ہوئیں۔ اگر اس تعداد کو سال کے ۳۶۵ دنوں پر تقسیم کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سال امریکہ میں ہر روز عصمت دری کی ۱،۷۵۶ وارداتیں ہوئیں۔

بعد ازاں ایک اور رپورٹ میں کہا گیا کہ امریکہ میں ہر روز عصمت دری کی ۱۹۰۰ وارداتیں ہوتی ہیں۔ امریکہ محکمہ دفاع کے ذیلی ادارے ''نیشنل کرائم وکٹمائزیشن سروے بیورو آف جسٹس'' کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق صرف ۱۹۹۶ء کے دوران امریکہ میں رپورٹ کیے گئے (عصمت دری کے) واقعات کی تعداد ۳ لاکھ ۷ ہزار (۳۰۷,۰۰۰) تھی۔ علاوہ ازیں، رپورٹ کی گئی وارداتیں بھی اصل وارداتوں کا صرف ۳۱ فیصد حصہ تھیں۔ یعنی اصل تعداد جاننے کے لیے ہمیں اس تعداد کو ۳.۲۲۶ سے ضرب دینا پڑے گا۔ حاصل ضرب ملنے پر پتا چلتا ہے کہ ۱۹۹۶ء کے دوران امریکہ میں عصمت دری کی وارداتوں کی اصل تعداد ۹۹۰،۳۲۲ (۹ لاکھ ۹۰ ہزار ۳۳۲) تھی۔ یعنی اس سال امریکہ میں روزانہ ایسی ۲،۷۱۳ وارداتیں ہوئیں۔

گویا ہر ۳۲ سیکنڈ بعد امریکہ میں عصمت دری کی ایک واردات ہوئی! شاید امریکہ کے زناکار زیادہ دلیر ہوگئے ہیں۔ ایف بی آئی کی ۱۹۹۵ء والی رپورٹ میں مزید یہ بھی کہا گیا تھا کہ صرف ۱۰ فیصد زناکار ہی گرفتار کیے جا سکے، یعنی عصمت دری کے اصل واقعات کے صرف ۱.۶ فیصد مجرم ہی قانون کی گرفت میں آئے۔ ان گرفتار شدگان میں سے بھی ۵۰ فیصد کو مقدمہ چلائے بغیر رہا کر دیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عصمت دری کے صرف ۰.۸ فیصد مجرموں کو ہی مقدمات کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسرے الفاظ میں یہی بات اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ (امریکہ میں) اگر کوئی شخص ۱۲۵ مرتبہ عصمت دری کا ارتکاب کرے تو اس بات کا امکان ہے کہ اسے صرف ایک بار ہی اس کی سزا مل پائے گی۔ بہت سے مجرم اسے ایک ''اچھا جوا'' سمجھتے ہیں۔

یہی رپورٹ مزید بتاتی ہے کہ مقدمات کا سامنا کرنے والے ۵۰ فیصد افراد کو ایک سال سے بھی کم کے لیے قید کی سزا سنائی گئی حالانکہ امریکہ کے قانون کے تحت، عصمت دری کا ارتکاب کرنے والے کی سزا سات سال قید با مشقت ہے۔ یہ مشاہدہ کیا گیا کہ جج صاحبان پہلی مرتبہ عصمت دری کے جرم میں گرفتار ہونے والے کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں، اس لیے انہیں کم سزا دیتے ہیں۔ ذرا سوچیے کہ ایک شخص ۱۲۵ مرتبہ عصمت دری کا جرم کرتا ہے اور پکڑا بھی جاتا ہے، تب بھی اسے ۵۰ فیصد تک یہ اطمینان ہوتا ہے کہ اسے ایک سال سے بھی کم سزا ملے گی!

ک:......اسلامی شریعت نافذ کر دی جائے تو نتائج حاصل ہوتے ہیں:

اب فرض کیجیے کہ امریکہ میں اسلامی شریعت نافذ کر دی جاتی ہے۔ جب بھی کوئی مرد کسی نامحرم عورت پر نگاہ ڈالتا ہے اور اس کے ذہن میں بے حیائی کی کوئی سوچ در آتی ہے تو وہ فوراً اپنی نگاہ نیچی کر لیتا ہے۔ ہر عورت اسلامی احکامات کے مطابق حجاب کرتی ہے، یعنی سارا جسم ڈھانپ کر رکھتی ہے۔ اس کے بعد بھی، اگر کوئی شخص عصمت دری کا مرتکب ہو تو اسے سزائے موت دی جائے۔ سوال یہ ہے کہ یہ سارے قوانین نافذ ہو جانے کے بعد امریکہ میں عصمت دری کی وارداتوں کی شرح میں اضافہ ہوگا، کمی ہوگی یا پھر وہ ویسی کی ویسی ہی رہے گی؟ فطری طور پر، اس کا جواب یہی ہوگا کہ ان وارداتوں میں کمی ہوگی، اور اسلامی شریعت کے نفاذ سے فوری نتائج حاصل ہوں گے۔

انسانیت کو درپیش مسائل کے لیے اسلام کے پاس عملی حل موجود ہیں

زندگی گزارنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جائے، کیونکہ اسلام صرف الہامی پند و نصائح کا مجموعہ نہیں ہے، بلکہ انسانیت کو درپیش مسائل کے عملی حل بھی فراہم کرتا ہے۔ اسلام انفرادی اور اجتماعی، دونوں سطح پر مثبت نتائج دیتا ہے۔ اسلام بہترین ضابطہ حیات ہے، کیونکہ یہ ایک عملی اور آفاقی مذہب ہے جو کسی مخصوص رنگ و نسل یا شہریت کے لوگوں تک محدود نہیں ہے۔

۱۹۔ اسلام کی تعلیمات اور مسلمانوں کے حقیقی اعمال میں بہت زیادہ فرق ہے

سوال: اگر اسلام دنیا کا بہترین مذہب ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ بہت سے مسلمان بددیانت، بے ایمان اور ناقابل بھروسہ ہوتے ہیں اور دھوکہ بازی، رشوت ستانی اور منشیات کی تجارت جیسے گھناؤنے کاموں میں ملوث ہوتے ہیں؟

جواب:

ذرائع ابلاغ نے اسلام کا چہرہ مسخ کر دیا ہے

الف: بے شک، اسلام ہی بہترین مذہب ہے لیکن عالمی ذرائع ابلاغ (میڈیا) مغرب کے ہاتھ میں ہیں جو اسلام سے خوفزدہ ہیں۔ یہ میڈیا ہی ہے جو اسلام کے خلاف باتیں نشر کرنے اور چھاپنے میں مسلسل مصروف رہتا ہے۔ یہ ذرائع ابلاغ اسلام کے بارے میں غلط معلومات پھیلاتے ہیں، غلط طور پر اسلام کا حوالہ دیتے ہیں، یا پھر اسلام کے نقطہَ ہائے نظر کو ان کے سیاق وسباق سے الگ کر کے پیش کرتے ہیں۔

ب: جب بھی کہیں کوئی بم پھٹتا ہے، جن لوگوں کو کسی ثبوت کے بغیر سب سے پہلے موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے وہ مسلمان ہی ہوتے ہیں۔ یہی بات شہ سرخیوں میں بھی آجاتی ہے۔ لیکن اگر بعد میں اس واقعے کا مجرم کوئی غیر مسلم ثابت ہو جائے، تو اس بات کو ایک غیر اہم خبر سمجھ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

ج: اگر کوئی پچاس سالہ مسلمان مرد، ایک پندرہ سالہ لڑکی سے (اس کی اجازت لے کر) شادی کر لے تو یہ اخباروں میں صفحہ اوّل کی خبر بن جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی پچاس سالہ

غیر مسلم شخص، چھ سالہ معصوم بچی کی عصمت دری کرتے ہوئے پکڑا جائے تو اسے اندر کے صفحات میں ''مختصر خبروں'' کا حصہ بنادیا جاتا ہے۔ امریکہ میں ہر روز عصمت دری کے اوسطاً ۱۳۷،۲ واقعات ہوتے ہیں، لیکن یہ خبروں میں صرف اس لیے نہیں آتے کیوں کہ یہ تو امریکی معاشرے کا چلن بن چکا ہے۔

ہر معاشرے میں کالی بھیڑیں ہوتی ہیں

میں کچھ ایسے مسلمانوں سے واقف ہوں جو بد دیانت ہیں، نا قابل بھروسہ ہیں، دھوکہ باز ہیں وغیرہ۔ لیکن میڈیا کچھ اس انداز سے مسلمانوں کی تصویر کشی کرتا ہے جیسے صرف مسلمان ہی ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ کالی بھیڑیں ہر معاشرے میں ہوتی ہیں۔ میں ایسے لوگوں کو بھی جانتا ہوں جو خود کو مسلمان بھی کہتے ہیں لیکن علانیہ یا پوشیدہ طور پر شراب نوشی بھی کرتے ہیں۔

مسلمان بطورِ مجموعی بہترین ہیں

مسلمان معاشرے میں ان کالی بھیڑوں کے باوجود، اگر مسلمانوں کا بطورِ مجموعی جائزہ لیا جائے تو وہ دنیا کا بہترین معاشرہ ثابت ہوں گے۔ مثلاً، مسلمان ہی دنیا کی وہ سب سے بڑی جماعت ہیں جو شراب سے پرہیز کرتے ہیں۔ اسی طرح، یہ مسلمان ہی ہیں جو دنیا میں (مجموعی طور پر) سب سے زیادہ عطیات دیتے ہیں۔ دنیا کا کوئی ایک معاشرہ بھی ایسا نہیں جو وقار و شرافت، بردباری، انسانی اقدار اور اخلاقیات کے ضمن میں مسلمانانِ عالم سے بڑھ کر کوئی مثال پیش کر سکے۔

کار کا فیصلہ ڈرائیور سے نہ کیجیے

فرض کیجیے کہ آپ نئے ماڈل کی ایک مرسڈیز کار کی خوبیوں خامیوں کے لیے اسے ایک ایسے شخص کو تھما دیتے ہیں جو گاڑی ڈرائیو کرنا نہیں جانتا۔ ظاہر ہے کہ وہ شخص یا تو گاڑی سرے سے چلا ہی نہیں پائے گا، یا پھر ایکسیڈنٹ کر دے گا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ڈرائیور کی نا اہلی میں اس گاڑی کا کوئی قصور ہے؟ کیا یہ صحیح ہوگا کہ ایسے کسی حادثے کی صورت میں ہم اُس اناڑی

ڈرائیور کو الزام دینے کے بجائے یہ کہنے لگیں کہ وہ گاڑی ہی ٹھیک نہیں؟ لہٰذا کسی کار کی اچھائیاں جاننے کے لیے کسی شخص کو چاہیے کہ اس کے ڈرائیور کو نہ دیکھے بلکہ یہ جائزہ لے کہ خود اس کار کے خدوخال اور کارکردگی وغیرہ کیسے ہیں۔ مثلاً وہ کتنی تیز چل سکتی ہے، وہ اوسطاً کتنا ایندھن صرف کرتی ہے، اس میں حفاظت کے کتنے انتظامات ہیں، وغیرہ۔ اگر میں صرف دلیل کے طور پر یہ مان بھی لوں کہ سارے مسلمان بُرے ہیں، تب بھی ہم اسلام کا اس کے پیروکاروں کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اگر آپ واقعی اسلام کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے بارے میں دیانتدارانہ رائے قائم کرنا چاہتے ہیں، تو آپ کو اسلام کے متعلق صرف قرآن پاک اور مستند احادیث ہی کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کرنا ہوگی۔ یہی وہ دو ذرائع ہیں جن کی مدد سے اسلام کا صحیح مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

اسلام کا تجزیہ اس کے بہترین پیروکار، یعنی حضرت محمد (ﷺ) کے ذریعے کیجیے

اگر آپ عملاً یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کوئی کار کتنی اچھی ہے، تو اس کا موزوں ترین طریقہ یہ ہوگا کہ وہ کار کسی بہترین ڈرائیور کو چلانے کے لیے دے دیجیے۔ اسی طرح اسلام کے بہترین پیروکار اور اسلام کی خوبیوں کو جانچنے کا بہترین پیمانہ صرف ایک ہستی ہے جو اللہ کے آخری نبی اور پیغمبر اسلام، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا کسی اور کی نہیں۔ مسلمانوں کے علاوہ، ایسے بہت سے ایمان دار اور غیر جانبدار غیر مسلم مؤرخین بھی ہیں جنہوں نے حضور (ﷺ) کو اس دنیا کا بہترین انسان تسلیم کیا ہے۔ ''تاریخ کی ۱۰۰ عظیم ترین شخصیات'' نامی کتاب کے مصنف مائکل ایچ ہارٹ نے اس کتاب میں حضور نبی کریم (ﷺ) کو انسانی تاریخ کی عظیم ترین شخصیت تسلیم کرتے ہوئے سب سے پہلے نمبر پر درج کیا ہے۔ (**ضروری وضاحت**:...... ہارٹ کی مذکورہ کتاب انگریزی حروفِ تہجی کی ترتیب میں ہے، لیکن مصنف نے حضور نبی کریم (ﷺ) کی ذاتِ مبارک کو اُس ترتیب سے الگ کر کے، سب سے پہلے بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی مصنف نے اس کی خصوصی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: ''محمد (ﷺ) کی شخصیت اتنی

پر اثر اور عظیم ہے کہ ان کا مرتبہ باقی تمام شخصیات سے بہت بلند ہے۔ اس لیے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تذکرہ حروفِ تہجی کی ترتیب کو نظر انداز کر کے سب سے پہلے کر رہا ہوں۔)

اسی طرح متعدد غیر مسلم مؤرخین نے حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے، جن میں تھامس کارلائل اور لامارٹین وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

۲۰۔ غیر مسلموں کو ''کافر'' قرار دیا جاتا ہے

سوال: مسلمان، غیر مسلموں کی توہین کرتے ہوئے انہیں ''کافر'' کیوں کہتے ہیں؟

جواب:

کافر کا مطلب مسترد کرنے/انکار کرنے والا ہے

لفظ ''کافر'' اصل میں عربی لفظ ''کفر'' سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے چھپانا، انکار کرنا یا مسترد کرنا۔ اسلامی اصلاح میں ''کافر'' سے مراد ایسا شخص ہے جو اسلام کی حقانیت کو چھپائے (یعنی لوگوں کو نہ بتائے) یا پھر اسلام کی حقانیت سے انکار کرے۔ ایسا کوئی شخص جو اسلام سے انکار کرتا ہو، اُردو میں غیر مسلم اور انگریزی میں Non Muslim کہلاتا ہے۔

اگر کوئی غیر مسلم خود کو غیر مسلم یا کافر کہلوانا پسند نہیں کرتا، جو اصل میں ایک ہی بات ہے، تو اس کے احساسِ توہین کی وجہ اسلام کے بارے میں لاعلمی یا غلط فہمی ہے۔ اسے اسلامی اصطلاحات سمجھنے کے لیے صحیح ذرائع تک رسائی حاصل کرنی چاہیے۔ اس کے بعد نہ صرف اس کا احساسِ توہین ختم ہو جائے گا بلکہ وہ اسلام کے نقطہ نگاہ کو بھی صحیح طور پر سمجھ جائے گا۔

ہماری دیگر کتابیں

فتاویٰ	ڈاکٹر یوسف القرضاوی
مولانا شبلی نعمانیؒ بحیثیت سیرت نگار	ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی
وحی حدیث	ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی
عبدالمطلب ہاشمی حضور ﷺ کے دادا	ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی
تدوین سیر مغازی	مولانا قاضی اطہر مبارکپوری
مقصد زندگی	الفریڈ ایڈلر، مترجم: سید محمد حسین جعفری
علامہ شبلی نعمانیؒ کی قرآن فہمی	ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی
ہندو علماء و مفکرین کی قرآنی خدمات	اورنگ زیب اعظمی
عالم اسلام کی اخلاقی صورت حال	اسرار عالم
حقیقی حسین کی بہترین تحریریں ([illegible])	مرتب: حسن چشتی